جون ۱۹۸۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعتِ خصوصی

انتخاب از ندا

(شمارہ ایک تا ۱۲)

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷۔ ۵۴۵۲۳

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد	۳۷
شمارہ	۶
شوال المکرم	۱۴۰۸ھ
جون	۱۹۸۸ء
فی شمارہ	۵/-
سالانہ زرتعاون	۵۰/-

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

اقتدار احمد

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحہ، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا ۱۵/- روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶ امریکی ڈالر یا ۱۰۰/- روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹ امریکی ڈالر یا ۱۵۰/- 〃 〃
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲ امریکی ڈالر یا ۲۰۰/- 〃 〃

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ (پاکستان) لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ فون: ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلیشرز: لطف الرحمٰن خان مقامِ اشاعت: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

□ عرضِ احوال ــــــــــــــــ ۳

اسرار احمد

□ برعظیم پاک و ہند کے چند صحابی داعی ــــــــــــــــ ۱۳

شیخ محمد اکرام مرحوم کی کتاب 'موجِ کوثر' سے ایک اقتباس

□ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کا ایک کشف ــــــــــــــــ ۱۵

ماہنامہ 'دینی مدارس' نئی دہلی سے دو اقتباسات

□ انتخاب از ہفت روزہ "ندا" لاہور ــــــــــــــــ ۱۷

شمارہ ۱ تا شمارہ ۱۲

□ "قرآن کے نور سے منور ہر رات شب برات ہے" ــــــــــــــــ ۸۱

روزنامہ 'امروز' میں شائع شدہ دورۂ ترجمۂ قرآن کی تاثراتی رپورٹ

تنویر قیصر شاہد

□ افغانستان کی عبوری حکومت کے سربراہ کی
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات ــــــــــــــــ ۸۹

ناظم نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی

□ تنظیم اسلامی کی قراردادیں ــــــــــــــــ ۹۱

مرتب: اقتدار احمد

□ افہام و تفہیم ــــــــــــــــ ۹۵

ایک خط اور اس کا جواب

اقتدار احمد

□ رفتارِ کار ــــــــــــــــ ۹۹

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ سندھ

مرتب: نجیب صدیقی

□ افکار و آراء ــــــــــــــــ ۱۰۹

ایک آرزو ... دعا ہے کہ پوری ہو جائے

محمد فہیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمد

عرضِ احوال

"میثاق" کے گزشتہ دو شماروں کے مانند پیشِ نظر شمارہ بھی ایک "خصوصی اشاعت" کی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقصد ہفت روزہ "ندا" لاہور کا تعارف ہے، جس کا اجراء ہماری دعوت اور تحریک کے ضمن میں ایک اہم پیش رفت کا مظہر ہے۔

کسی جریدے کا اس اہتمام سے تعارف عام حالات میں بھی ذوقِ سلیم پر گراں گزرنے والی بات ہے۔ "ندا" کا معاملہ اس اعتبار سے مزید نزاکت کا حامل ہے کہ اس کے مدیر اور فی الوقت "مالک" (اگرچہ آئندہ کے "متولّی") راقم الحروف کے چھوٹے بھائی ہیں!

معاملے کی اس نزاکت اور حسّاسیت کے پورے شعور و ادراک کے باوصف یہ "جسارت" اس لئے کی جارہی ہے کہ دعوت اور تنظیم کے میدان میں اتر کر راقم اب سے بہت پہلے اپنے آپ کو تنقید و ملامت ہی نہیں، طنز و استہزاء تک کے لئے کھلے طور پر پیش (EXPOSE) کر چکا ہے، اگر دعوت اور تحریک کے مصالح متقاضی ہوں تو اس معرضِ تنقید و تمسخر کی ایک کھڑکی مزید کھول دینے میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں! اس لئے کہ بقول فیض۔

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اس عشق، نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں، بجز داغِ ندامت!

"مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" ...... اور اس کی ذیلی انجمنیں، اور "تنظیم اسلامی پاکستان" اور اس کے بیرونِ ملک حلقے جس دعوت اور تحریک کے لئے سرگرمِ عمل ہیں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا نہایت عظیم فضل و احسان یہ ہے کہ اس کے مبنیٰ و مدار، اور مرکز و محور ہونے کی حیثیت کلیۃً قرآن حکیم کو حاصل ہے۔

چنانچہ اس میں..... بحمد اللہ..... نہ تو کسی مفکر یا مصنف کی تصانیف کو اساسی لٹریچر کی حیثیت حاصل ہے' نہ اس کے داعی اور مؤسّس کا مزاج اور اسلوب صحافیانہ رہا[1] ..... اور نہ ہی اس نے ترقی پسند ادب کی تحریک کی نقالی میں افسانوں' ڈراموں اور خاکوں یا نظموں اور ترانوں کو اپنے فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنایا' جس میں لامحالہ بعض ممدوحین کے لئے محبت و عقیدت اور مخالفین کے لئے نفرت و حقارت کے ضمن میں مبالغہ آمیزی در آتی ہے اور رفتہ رفتہ طنز و طعن' اور تمسخر و استہزاء کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے' جو دین کی دعوت و تبلیغ کے یکسر منافی ہے۔

بلکہ اس کے برعکس' اس تحریک و تنظیم کے دائم و قائم "لٹریچر" کا مقام صرف قرآن حکیم کو حاصل رہا اور اسی کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کو اس کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے امتیازی شعار اور نمایاں علامت کی حیثیت حاصل رہی..... اور اس کے داعی اور مؤسّس کے قلم پر اکثر و بیشتر تو گرہ ہی لگی رہی' (چنانچہ اس کے باوجود کہ وہ گزشتہ بائیس سال سے ایک ماہنامے کا "مدیرِ مسئول" ہے' وہ صحافی حضرات کے مانند معیّن وقت پر یا حسبِ فرمائش کبھی ایک حرف بھی نہ لکھ سکا..... اور اس طویل عرصے کے دوران جو معدودے چند تحریریں اس کے قلم سے "صادر" ہوئیں ان میں بھی روایتی مضمون نگاری اور معروف انشاپردازی یا صحافیانہ انداز کے بجائے جذبات کی "آمد" اور وارداتِ قلبی کا رنگ نمایاں ہے)..... البتہ حضرت موسیٰؑ کی دعا "وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ" ..... اور عروس القرآن' سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی آیات "اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○" کے مصداق اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اُس کی زبان کو

---

[1] واضح رہے کہ "صحافت" ہرگز نہ کوئی برا شغل ہے نہ گھٹیا پیشہ' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ جدید معاشرہ اور ریاست کی ایک ناگزیر ضرورت اور اہم خدمت ہے..... چنانچہ یہ سطور بھی ایک "صحیفے" کے تعارف ہی کے لئے سپردِ قلم کی جا رہی ہیں..... لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اگر کسی تحریک کا داعی اور مؤسّس بنیادی طور پر "صحافی" ہو تو اس میں واقعیت کی بجائے جذباتیت' اور حقیقت پسندی کے بجائے رومانویت کے در آنے کا خطرہ نہایت شدید ہوتا ہے..... اور اس کے زیرِ قیادت لوگ زمین پر چلنے کے کم' اور ہوا میں اڑنے کے زیادہ عادی ہو جاتے ہیں..... اس موضوع پر شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی تالیفِ لطیف "موجِ کوثر" میں جو پتے کی باتیں کہی ہیں وہ قارئینِ "میثاق" کی دلچسپی اور استفادہ کے لئے اسی شمارے میں شائع کی جا رہی ہیں!

" بیانِ قرآن " کے لئے اس حد تک کھول دیا کہ اس کا " درسِ قرآن " ہی ایک پوری دعوت و تحریک کی اساس اور روحِ رواں بن گیا۔" ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوا لْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ "

یہ 'بلاشبہ' اس دعوت و تحریک پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے..... اور اسے خواہ ایک لاکھ میں ایک یا اس سے بھی کمتر درجہ میں یعنی ایک کروڑ میں ایک کے تناسب ہی سے سہی' بہرحال نسبت حاصل ہے "اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" کے ساتھ اس لئے کہ بفحوائے الفاظ قرآنی "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ " انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج کل کا کل قرآن حکیم ہی کے گرد گھومتا ہے......
فللّٰه الحمدُ والمنّة

ہماری تحریک کی اسی امتیازی خصوصیت کا ایک مظہر یہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے عام رفقاء ہی نہیں' اس کے نہایت فعّال کارکنوں' حتیٰ کہ ذمہ دار ترین حضرات کا مزاج بھی' بحمداللہ' یہ بنا ہے کہ درسِ قرآن کی محفل میں تو وہ بلا تکان گھنٹوں بیٹھ سکتے ہیں..... اور خصوصاً راقم کے درس میں تو وہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شرکت کر سکتے ہیں خواہ وہ درس اُن ہی آیات کا ہو جن پر وہ راقم ہی کے متعدد بیان پہلے بھی سن چکے ہوں' ...... لیکن سیاسی تبصروں اور تجزیوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی خواہ وہ خود راقم ہی کے قلم سے نکلے ہوں!

یہ چیز جہاں ایکؔ جانب موجبِ اطمینان اور لائقِ امتنان ہے' وہاں دوسؔری جانب ایک انقلابی تحریک کے تقاضوں کے اعتبار سے تشویش انگیز بھی ہے' اس لئے کہ ایک انقلابی تحریک کے تو عام کارکنوں کے لئے بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ملکی بلکہ عالمی اور بین الاقوامی سطح پر موجود الوقت حالات و واقعات اور ان کے پس پردہ کار فرما عوامل و محرکات سے پوری طرح واقف اور باخبر ہوں' رہے ذمہ داریوں کے حامل اور رہنمائی کے منصب پر فائز لوگ تو ان کے لئے تو لابدّ منہ ہے کہ ان کا ہاتھ حالات کی نبض پر ہو اور انہیں ذہنی و فکری اور عملی و سیاسی دونوں میدانوں میں کار فرما اور نبرد آزما قوتوں کے بارے میں گہری بصیرت حاصل ہو۔

بنابریں' کچھ عرصہ سے اس امر کا احساس نہایت شدت کے ساتھ ہو رہا تھا کہ ہماری دعوت اور تحریک کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے جس مقام تک پہنچادیا ہے' اُس کا تقاضا ہے کہ ایک ہفت روزہ جریدہ ہمارے اساسی خیالات و نظریات کی اشاعت اور مختلف ملی و

ملکی مسائل میں ہمارے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے موجود ہو' جوان مقاصد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک اور تنظیم سے منسلک لوگوں کو واقعاتِ عالم اور حوادثِ ملکی کے بارے میں صحیح اور مستند معلومات بھی بہم پہنچائے اور اُن کے ضمن میں بصیرتِ باطنی بھی پیدا کر سکے!

راقم کے نزدیک یہ بھی سرتاسر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم...... اور ہماری دعوت و تحریک کے ضمن میں اسؑ کی تائید و تیسیر کا مظہر ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوئی مصنوعی کوشش کرتے اور لمبی چوڑی اجتماعی منصوبہ بندی کرتے جس میں لامحالہ زرِ کثیر کے صرف کے علاوہ تکلّف اور "آورد" کا رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے' اور گوناگوں قسم کے تنظیمی و انتظامی مسائل بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک شدید داعیہ برادرِ عزیز اقتدار احمد کے دل میں پیدا فرما دیا' جسؔ کے نتیجے میں بالکل فطری طریق اور خالص "آمد" کے انداز میں ہفت روزہ "ندا" منصّۂ شہود پر آگیا...... جس کے ان سطور کی تحریر کے وقت تک' بحمداللہ' دس شمارے نہایت آب و تاب اور حد درجہ پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں!

عزیزم اقتدار احمد نے تو نہ اپنے ارادے کا اظہار براہِ راست میرے سامنے کیا' نہ ہی اس کے سلسلے میں مجھ سے کوئی مشورہ لیا...... غالباً اُن کے نزدیک معاملہ ع "در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست!" والا تھا۔ بہرحال میرے کانوں تک جب اس کا ذکر بالواسطہ طور پر پہنچا' تو ذہن نے غیر ارادی طور پر نام کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اولاً ذہن "اذان" کی جانب منتقل ہوا' لیکن معلوم ہوا کہ اس نام سے ڈیکلریشن پہلے سے جاری شدہ ہے' دوسرے نمبر پر "ندا" کا نام ذہن میں آیا۔ اور اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال مرحوم کا یہ قطعہ نگاہوں کے سامنے آگیا کہ ۔

کہا اقبال نے شیخِ حرم سے
تہِ محرابِ مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

چنانچہ "وَاِنِّیْ سَمَّیْتُھَا مَرْیَمَ" کے مصداق اس جریدے کا نام بھی راقم الحروف کا رکھا ہوا

ہے اور اس کی لوح پر درج قطعہ بھی راقم ہی کا تجویز کردہ ہے..... اور اس جریدۂ نوزائیدہ کے ضمن میں ان سطور کی تحریر سے پہلے تک راقم کا واحد تعاون یا حصہ (CONTRIBUTION) یا تو یہ ہے' یا یہ کہ ڈیکلریشن کے حصول میں دفتری سرخ فیتے کے قطع کرنے میں راقم نے بھی اپنے بعض احباب سے تعاون حاصل کیا۔ فجزاھم اللّٰہ عنّا خیر الجزاء!

سطور مندرجہ بالا وسطِ رمضان مبارک میں سپرد قلم ہوئی تھیں۔ ان کے بعد اس تحریر کا دوسرا حصہ قلم سے صادر ہونا شروع ہوا جس کے افتتاحی الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"..... ندا' کے ساتھ ساتھ کچھ تعارف "صاحبِ ندا' کا بھی مناسب ہے..... کچھ اس سبب سے کہ اس کے بغیر خود "ندا' کا تعارف بھی نامکمل ہے'..... اور کچھ اس بنا پر کہ برادرِ عزیز اقتدار احمد نے "ندا' کے دسویں شمارے میں جو چند جملے راقم کے بارے میں تحریر کئے ہیں' ان سے پرانی یادوں کے بہت سے دریچے وا ہو گئے' اور اپنی خاندانی زندگی کے بہت سے بھولے بسرے واقعات کی فلم پردۂ ذہن پر چلنے لگی..... اور یہ احساس شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ یہ حقائق و واقعات تنظیمِ اسلامی کے رفقاء و احباب کے علم میں آنے ضروری ہیں..... اس لئے کہ "بیعت' کی بنیاد پر قائم ہونے والی تنظیم میں داعی کی زندگی کے اہم حالات و واقعات کا "مبایِعین' کے علم میں ہونا مناسب اور مفید ہی نہیں نہایت ضروری ہے!"

سیلن جب اس موضوع پر قلم نے چلنا شروع کیا تو اگرچہ رمضانِ مبارک کی خصوصی کیفیات اور خصوصاً دورۂ ترجمہ قرآن کی مصروفیات کے باعث رفتار بہت کم رہی تاہم بات طویل ہوتی چلی گئی..... اور ادھر عشرۂ آخر کی گہما گہمی نے قلم ہاتھ سے رکھوا دیا۔ چنانچہ یہی طے پایا کہ اس حصے کی اشاعت کو مؤخر کر دیا جائے۔

سردست پیشِ نظر اشاعت میں "ندا' کے بارہ شماروں سے جو "انتخاب" شائع کیا جا رہا ہے' اس کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

(۱) "مقاصد و عزائم" کے عنوان کے تحت صاحبِ "ندا' کی دو تحریریں شائع کی جا رہی ہیں..... ایک ان کا وہ خطبۂ استقبالیہ جو انہوں نے صحافیوں کی ایک تنظیم کے نومنتخب

شدہ صدر کے اعزاز میں اپنی جانب سے دی جانے والی دعوتِ افطار میں پڑھا تھا اور جس میں انہوں نے اپنا مختصر تعارف خود اپنے قلم سے کرایا ہے..... اور دوسرے "نداکی صدا" جس میں "ندا" کی مستقل پالیسی علامہ اقبال مرحوم کے ان دو اشعار کے حوالے سے بیان کی گئی ہے' جو راقم الحروف نے "ندا" کی پیشانی کے لئے تجویز کئے ہیں۔

(۲) پھر "ملک و ملت" کے عنوان کے تحت اولاً دو اداریئے شاملِ اشاعت ہیں' جو صاحبِ "ندا" کے اپنے قلم سے ہیں یعنی ایک "ملت کا اصل المیہ" اور دوسرے "خبردار' دشمن تاک میں ہے!" ..... اور پھر دو سیاسی و اقتصادی تجزیئے "ندا" کے قلمی معاونین کے تحریر کردہ ہیں' جن میں سے ایک جو کراچی کی خوفناک صورت حال کے بارے میں ہے واقعۃً تجزیاتی شاہکار کا درجہ رکھتا ہے..... اور اس میں ہرگز کسی تعجّب کی بات نہیں اس لئے کہ تجزیہ نگار جناب عبدالکریم عابد ہیں' جو نہایت پختہ کار اور منجھے ہوئے صحافی ہونے کے علاوہ تحریکِ اسلامی کے قافلے کے پرانے شریکِ سفر ہیں۔ اور ان کی "ندا" کے ساتھ مستقل قلمی معاونت "ندا" کے مستقبل کے لئے یقیناً بہت امید افزا ہے۔

(۳) اس کے بعد "تحریک و تنظیم" کے عنوان کے تحت..... اولاً تنظیم اسلامی کے ایک دیرینہ رفیق اور تحریکِ اسلامی کے پرانے کارکن قاضی عبدالقادر کی تحریر کردہ تنظیم کے تیرھویں سالانہ اجتماع کی نہایت دلچسپ رُوداد ہے جس کے لئے عنوان علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر سے مستعار لیا گیا ہے کہ ؎

کونسی وادی میں ہے' کونسی منزل میں ہے\
عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں؟

ثانیاً..... راقم الحروف کا ایک مفصل انٹرویو ہے جو جناب عبدالکریم عابد اور برادرم محبوب سبحانی نے لیا تھا جو اسلامی جمعیت طلبہ کے دور میں میرے نہایت قریبی اور معتمد ترین ساتھی رہے تھے'..... یہ دونوں تحریریں تو ظاہر ہے کہ ویسے بھی براہِ راست "میثاق' کے دائرۂ موضوعات' میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ریکارڈ کو درست رکھنے کی غرض سے "قاضی حسین احمد کو شاید یاد نہیں!" کے عنوان سے محترم شیخ جمیل الرحمٰن کی تحریر شامل کی جارہی ہے جس میں محترم قاضی صاحب کی اس رائے کی تردید کی گئی ہے کہ مولانا مودودی مرحوم اپنی عمر کے آخری دور میں پاکستان میں اقامتِ دین کے مقصد کے حصول کے لئے انتخابی طریق کار سے بددل یا مایوس نہیں ہوئے تھے!

(۴) "محبت و خدمتِ قرآن" کے عنوان سے اولاً مصر کے ایک اہم فوجی رہنما جنرل فتحی رزق کا تبصرہ شاملِ اشاعت ہے جو انہوں نے راقم کی تالیف "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے عربی او۔ انگریزی دونوں تراجم کے مطالعے کے بعد مدیر "ندا" سے ایک نجی ملاقات میں کیا تھا۔ راقم جنرل صاحب کے اس تبصرے سے خاص طور پر اس لئے متأثر ہوا کہ انہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل وہ بات ارشاد فرمائی ہے جو اس طویل حدیث کے آخر میں وارد ہوئی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی عظمت نہایت وضاحت اور جامعیت کے ساتھ بیان فرمائی ہے...

اس لئے کہ اس حدیث شریف کے آخری الفاظ بھی یہی ہیں کہ "مَنْ دَعٰی اِلَیْہِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" ...... اللہ سے دعا ہے کہ وہ راقم الحروف اور اس کے ان جملہ رفقائے کار کو اس مژدۂ جانفزا کا واقعی مصداق بنا دے جنہوں نے تعلیم و تعلم قرآن ہی کو اپنی بہترین صلاحیتوں اور قوتوں کا مصرف قرار دے لیا ہے! "آمین"......... اس کے علاوہ اس حصے میں "روزوں کے دن اور تراویح کی راتیں" کے عنوان سے مدیر "ندا" کی وہ تحریر شامل ہے جس میں انہوں نے قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے کیف آور اور روح پرور تأثرات بیان کئے ہیں......... اور آخر میں "عاشقِ قرآن" کے اس خطاب پر مدیر "ندا" کے تأثرات شاملِ اشاعت ہیں جو ملک کے معروف صحافی جناب مجیب الرحمٰن شامی نے راقم کو اسی دورۂ ترجمۂ قرآن کے تأثر کے تحت عنایت فرمایا جس میں وہ حیرت انگیز پابندی کے ساتھ شریک رہے تھے......... مدیر "ندا" کے انہی تأثرات کے ذیل میں راقم کے بارے میں وہ چند جملے آ گئے ہیں جو اس مفصّل تحریر کا اصل سبب بنے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور جو ان شاء اللہ "میثاق" کی آئندہ اشاعت میں ہدیۂ قارئین کر دی جائے گی۔

(۵) آخر میں "تلخ و شیریں" کے عنوان سے "جناب خواہ مخواہ در آمدی" کی دو تحریریں شامل کی جا رہی ہیں جو انہوں نے "جناب جاوید احمد الغامدی" اور ان جیسے چند لکھنے والوں کی ان تحریروں کے "جواب آں غزل" کے طور پر سپردِ قلم کی ہیں جن کے ذریعے یہ حضرات راقم الحروف کی کردار کشی بلکہ بزعمِ خویش "بیخ کنی" کی کوشش فرما رہے ہیں.........

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں یہ سلسلہ ہرگز پسند نہیں ہے لیکن سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب معاملہ اصولی اختلاف اور علمی تنقید سے بڑھ کر ذاتی ہجو کی صورت اختیار کر لے تو دعوت و تحریک کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کے جواب میں "قُلْ" وَ

رُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ" کی روش اختیار کی جائے!

اس اشاعت کے ذریعے چونکہ "ندا' کا ایک جامع (COMPREHENSIVE) تعارف کرانا مقصود تھا لہٰذا "تلخ و شیریں" کے یہ دو نمونے بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔ آئندہ ان شاءاللہ "میثاق "کے صفحات اس قال واقول سے مبّرا رہیں گے اس لئے بھی کہ یہ موضوع "میثاق" کی سطح سے فروتر ہے......... اور اس لئے بھی کہ "غامدی صاحب" کے جواب کے لئے "در آمدی صاحب" کا قلم اور "ندا" کے صفحات کافی ہیں!

ان سطور کی تحریر کے وقت تک الحمدللہ کہ "ندا" کے تیرہ شمارے پوری پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ اور اس تین ماہ کے عرصہ میں ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ ملک کے صحافتی حلقوں سے اپنا لوہا منوا لیا ہے بلکہ اس کا شہرہ بیرونِ ملک بھی ہو گیا ہے جس کا تازہ ترین مظہر یہ ہے کہ لندن میں 'مستقبل قریب میں منعقد ہونے والی' ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ مدیر "ندا" کو بھی پہنچا ہے۔ گویا اب وہ اپنا تعارف آپ ہی ہے'...... اور فی الوقت یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے تعارف کے لئے "میثاق' کی ایک خصوصی اشاعت کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا فیصلہ راقم نے ڈیڑھ ماہ قبل کر لیا تھا اور اس کی تیاری بھی مکمل ہو چکی ہے لہٰذا اسے شائع کیا جا رہا ہے........... تاکہ ایک بار راقم الحروف اور تنظیمِ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے پورے حلقے میں اس کا مکمل تعارف ہو جائے.......... اس کے بعد معاملہ بالکلّیہ "ندا" اور اس کے قارئین کے مابین ہو گا!

یہ باتیں اصلاً تو اس طویل تحریر میں پورے پس منظر کے ساتھ آئیں گی۔ اس وقت برسبیلِ تذکرہ عرض ہے کہ برادرِ عزیز اقتدار احمد سلمہ 'بحمداللہ معاشی طور پر "ندا" یا "محمد حمید احمد پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ" کے ذریعے کسی مالی منفعت کے حصول سے کلیتہً مستغنی ہیں۔ اور ؎ "کچھ شاعری ذریعۂ عزّت نہیں مجھے!" کے مصداق ان کے لئے بھی صحافت ذریعۂ معاش ہرگز نہیں ہے.......... ویسے بھی انہوں نے راقم کی تجویز پر اسے ایک وقف کی شکل دے دینے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔

ثانیاً........ ان کی صحت ہرگز قابلِ رشک نہیں ہے' انہوں نے زندگی میں مختلف اعتبارات سے شدید مشقتیں جھیلی ہیں اور اب جب کہ وہ عمر کے چھٹے دہے میں قدم رکھ چکے

ہیں' انہوں نے ایک ہفت روزہ کے اجراء کے ذریعے شدید محنت و مشقت کا ایک نیا باب کھول لیا ہے' پچھلے دنوں ان کی صحت اچانک بہت خراب ہو گئی تھی۔ تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں جو مرض سامنے آیا ہے وہ بھی ایک تشویش کا پہلو لئے ہوئے ہے اگرچہ ابھی مزید تفتیش و تشخیص کا سلسلہ جاری ہے.......... تاہم راقم رفقائے تنظیم اسلامی سمیت اپنے تمام بزرگوں اور خیرخواہوں' اور جملہ رفقاء واحباب سے مستدعی ہے کہ وہ آں عزیز کی صحت کے لئے دعاء فرمائیں۔ اس لئے کہ دعاء کی تاثیر کے ضمن میں تو یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں کہ "لَا یُرَدُّ الْقَضَاءُ اِلَّا بِالدُّعَاءِ "..........

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار
اسرار احمد عفی عنہ
۲۸/ مئی ۸۸ء

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف وحدتِ اُمّت میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تُلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اِس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شایان طور پر شائع کیا ہے۔

بڑے سائز کے ۵۲ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہٗ توجہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر تا سورہ شوریٰ پر تدبر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸ × ۲۲/۸ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ہدیہ ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن : ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور ۱۴

برِّعظیم پاک وہند کے بیسویں صدی عیسوی کے چند

صحافی داعی

اوران کی قیادت وسیادت کا ایک مشترک وصف

از: شیخ محمد اکرام مرحوم

(ماخوذ از "موجِ کوثر" صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۱)

قومی روایات کے تسلسل ٹوٹنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہفتہ وار اور روزنامہ اخبارات کا اثر بہت بڑھ گیا۔ علی گڑھ تحریک کے بڑے سرگروہ سرسید، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک ارباب عمل تھے۔ وہ اسلامی تاریخ کے قدیم سرگروہوں کی طرح صاحب السیف نہ تھے، لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ انتظامی معاملات میں گزرا تھا۔ انہیں آدمیوں اور واقعات کا گہرا ذاتی تجربہ تھا، جس سے ان کے نقطۂ نظر میں واقعیت پسندی غالب تھی اور ٹھوس، تعمیری کام کرنے کا ملکہ بھی ان میں زیادہ تھا۔ نئے دور کے سب سے مقبول راہنما تین نوعمر اخبار نویس تھے — مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر کامریڈ وہمدرد، مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال اور مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار۔ تینوں اسلامی ہندوستان کے سب سے بڑے جرنلسٹ تھے۔ ان کا عملی تجربہ تھوڑا تھا اور واقعات سے انہیں اتنا اُنس نہیں تھا، جتنا الفاظ سے یا خیالات سے۔ لیکن ان کے ہاتھ میں ایک بے پناہ طاقت تھی — قلم — اور چونکہ اب قومی تاریخ کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا، وہ اپنے زورِ قلم سے جس طرف چاہتے، قومی خیالات کا رخ بدل دیتے۔

اصحاب قلم کے ہاتھ میں قومی خیالات کی باگ چلے جانے کے کئی دلچسپ نتائج

برآمد ہوئے، لیکن شاید ان میں سب سے اہم یہ تھا کہ قوم پہ ایک خیالی رنگ چھا گیا۔ اکبر نے سرسید کی وفات پہ کہا تھا ؎

نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا ہے

کہنے والے اور کرنے والے میں کئی باتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض تو بالکل ظاہر ہیں لیکن ایک عمیق فرق یہ ہے کہ کہنے والے کو کام کی مشکلات اور راہ کی دشواریوں کا وہ احساس نہیں ہوتا جو کرنے والے کو ہوتا ہے اور جب وہ "کرسی ادارت" پر بیٹھ کر قوم کے لئے لائحہ عمل تجویز کرتا ہے تو عام طور پر اس کا طائرِ خیال ان بلندیوں پر پرواز کرتا ہے، جہاں انسانی عمل کی رسائی نہیں بلکہ جن کا وجود بالعموم فقط اس کے نہاں خانۂ دماغ میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں جب راہنمائی کے فرائض اربابِ قلم کے ہاتھ میں آئے تو یہی ہوا۔ قومی زندگی کا راستہ معین کرتے وقت یہ باتیں نظرانداز ہوگئیں کہ قوم کی خاص ضروریات اور راہ کی خاص مشکلات کیا ہیں؛ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی ہزار سالہ تاریخ میں جو اچھی یا بُری صلاحیتیں، خوبیاں یا کمزوریاں دکھائی تھیں وہ کیا تھیں؛ قوم میں کس چیز کی کمی اور کس چیز کی افراط ہے؟ یہ اہم باتیں نظر سے اوجھل ہوگئیں اور قومی ترقی کی راہ معین کرتے وقت فقط خیالی اور نظری اصولوں کا دھیان رہا اور ان میں جو کوئی جس قدر زیادہ مشکل الحصول اور ناقابلِ عمل ہوتا اسی قدر اس پر زیادہ زور دیا جاتا۔ ؏

ہرچہ از سرمایہ کاست، در ہوس افزودہ ایم

نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اصول شاذونادر ہی صفحۂ قرطاس سے عمل وحقیقت کی دنیا میں منتقل ہوتے اور قول وفعل اور خیال وعمل کے درمیان ایک عظیم خلیج حائل ہوگئی۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی کہ خواب تو ہندوستان میں "حکومتِ الٰہیہ" قائم کرنے کے دیکھے جاتے اور عملی استعداد کا یہ عالم ہوتا کہ کاغذ کی کمیابی کے زمانے میں پچاس صفحے کا ایک رسالہ "ترجمان القرآن" جاری نہ رہ سکتا۔

(بشکریہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ)

Monthly
DINI MADARIS
New Delhi-110002

ماہنامہ دینی مدارس نئی دہلی

گزشتہ دِنوں شیرِ میوات جناب علی محمد صاحب پاکستان تشریف لائے تو ان کی وساطت سے ماہنامہ دینی مدارس نئی دہلی کا فروری ۸۸ء کا شمارہ دیکھنے میں آیا ——— اس کے سرورق پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تالیف 'تفہیماتِ الٰہیہ' کا ایک اقتباس دیکھ کر دل نے بہت خوشی محسوس کی۔ تو ارادہ ہوا کہ اس مسرت میں قارئینِ میثاق کو بھی شریک کیا جائے، چنانچہ اس کا عکس ذیل میں شائع کیا جارہا ہے ——— اس خوشی کے ساتھ اس جریدے کے ذریعے یہ دو انتہائی افسوسناک اور رنج دہ اطلاعات بھی ملیں کہ دارالعلوم دیوبند کے بعد اب جمعیتِ علماء ہند بھی شکست و ریخت کا شکار ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ تبلیغی جماعت ایسی غیر سیاسی تنظیم بھی مستقبل کی امارت و امامت کے باب میں گروہ بندی اور تفرقہ بازی کی زد میں ہے۔ فواحسرتاً دیا اسفاً جمعیت علماء ہند کی موجودہ قیادت کے بارے میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے خلف الرشید مولانا انظر شاہ صاحب کی ایک عبارت کا عکس بھی افسوس کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے ——— رہا قضیۂ امارت تبلیغی جماعت تو اس سے غضِ بصر اور صرفِ نظر ہی مناسب ہے۔

خاکسار اسرار احمد

حضرتِ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے
ایک الہامی کشف میں فرمایا

"ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کی اکثریت کے شرفاء
اسلام قبول کریں گے اور تاتاریوں کی طرح اس قوم کے
ہاتھ میں بھی توحیدِ اسلامی کا پرچم ہوگا" تفہیمات الٰہیہ ص۲۰۳

ملت مخلصانہ قیادت سے محروم

جمعیۃ علماء جسم بیمار نہیں بلکہ ایک لاش ہے جنھیں چند مرید و معتقد اس طرح اٹھائے پھر رہے ہیں جیسا کہ قابیل ہابیل کی لاش کو مدفن کی تلاش میں حیران و پریشان لئے پھرتا تھا۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد نہ صرف جمعیۃ علماء ہند ختم ہو گئی بلکہ ملت مخلصانہ قیادت سے محروم ہے، "مشاورت" ایک شمع فروزاں کی طرح سامنے آئی لیکن تیز و تند جھونکوں نے اسے خاموش کر دیا اب اس کی حقیقت جسم بے جان سے زیادہ نہیں مسلم مجلس کا دائرہ اولاً محدود ہی تھا لیکن ڈاکٹر فریدی مرحوم کے ساتھ اس کا قصہ بھی نمٹ گیا، مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنا دائرۂ کار محدود رکھا ہے، رہی جمعیۃ العلماء تو وہ جسم بیمار نہیں بلکہ ایک لاش ہے جنھیں چند مرید و معتقد اس طرح اٹھائے پھر رہے ہیں جیسا کہ قابیل ہابیل کی لاش کو مدفن کی تلاش میں حیران و پریشان لئے پھرتا تھا، بابری مسجد کے قضیہ سے متعلق اولاً تو کوئی سلجھی ہوئی قیادت سامنے نہیں آئی جو کچھ باہمی قیادت کی تشکیل ہوئی وہ بھی وقتی و عارضی ہے اور یہ اظہار حقیقت اگرچہ گراں گزرے تاہم بلا خوف لومۃ لائم عرض ہے کہ اس خاص قیادت نے کسی سوجھ بوجھ کا ثبوت نہیں دیا۔ بعضوں نے اپنے قائدانہ کردار کی تعمیر تو بعض نے اپنی دکان قیادت کی رونق کے لئے ملت کو کھلونا بنا رکھا ہے۔ جب فضا سکون پذیر ہوتی ہے یہ کوئی شوشہ چھوڑ کر از سر نو سطح کو تلاطم پذیر کر دیتے ہیں اور مسئلہ کو نہ عقل سے حل کرنا چاہتے ہیں نہ گرہ کشائی کے لئے مطلوب اخلاص ان کے دامنوں میں۔ ایسے پراگندہ و مایوس کن ماحول میں نئی ملی قیادت کی ضرورت اہم فرض بن کر سامنے آ گئی یہ تازہ قیادت مخلصین کا اجتماع ہو نہ کہ سیاسی طالع آزماؤں کا یہ قیادت کو سیاسی عروج کا زینہ نہ بنائیں بلکہ ملی خدمات کا تاج محل تیار کریں مومنانہ فراست ان کے جلو میں ہو تدبیر و تدبر ان کے جیب و دامن میں، یہ لگاتار محنت کے قطب مینار ہوں، ایثار و قربانی ان کا امتیاز ہو نہ حکومت متسلطہ کے خیمہ بردار ہوں اور نہ سعی اس کے مخالف بلکہ ملک و ملت کی بہتری ان کا ایمان ہو۔ اس طرح کی قیادت جب وجود پذیر ہو گی حقیر کی تمام تر توانیاں اس کے لئے وقف ہوں گی۔ ان شاء اللہ اس وقت ذرہ ذرہ نعرہ زن۔ حضرت مولانا انظر شاہ زاد مجدہ بیت الحکمۃ دیوبند

انتخاب

کہا اقبال نے شیخِ حرم سے
تہِ محرابِ مسجد سو گیا کون!
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

ہفت روزہ

ندا

لاہور

شمارہ: ۱ تا ۱۲

★ مقاصد و عزائم ۱۹

- خطبۂ استقبالیہ
- ندا کی صدا

★ مُلک و مِلّت ۲۵

- مِلّت کا اصل المیہ (اداریہ)
- خبردار دشمن تاک میں ہے (اداریہ)
- کراچی، جو ایک بھیانک انجام کی طرف بڑھ رہا ہے
- دارالحکومت میں بجٹ کا موسم

★ تحریک و تنظیم ۴۱

- قافلۂ سخت جاں
- تنظیم اسلامی کے تیرھویں سالانہ اجتماع کی رُوداد
- امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد سے 'ندا' کا انٹرویو
- "قاضی حسین احمد کو شاید یاد نہیں"

★ محبّت و خدمتِ قرآن ۷۱

- 'مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' اور جنرل فتحی رزق
- روزوں کے دن اور تراویح کی راتیں
- ایک عاشقِ قرآن

★ تلخ و شیریں ۷۷

- صاحبِ میزان، کوئی بولے تو اپنا بول پہلے ہم سے تُلوائے
- آہ بے چاروں کے اعصاب پُر 'شوریٰ' ہے سوار

استقبالیہ

سی پی این ای کے صدر اور مدیرانِ جرائد کی خدمت میں

اقتدار احمد

جناب صدر، معزز مدیران جرائد، صحافیان عظام اور حاضرین کرام۔

السلام علیکم!

میں کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کے عہدیداروں اور آپ سب کا ممنون ہوں، جنہوں نے ایک ایسے شخص کو شرف میزبانی بخشا، جو دور بیٹھے چوتھائی صدی اس کاروان صحافت کی گرد کو ہی دیکھتا رہا اور جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوتے ہیں کہ انگلی کٹا کے شہیدوں میں شامل ہوا ہے۔ حضرات!..... مجھے پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس کی چیرہ دستی کا ذاتی تجربہ تو نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ اپنے پرچے کا ڈیکلریشن لینے کے لئے مجھے منزل ہفت خواں طے کرنی پڑی، تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ قانون قلم پر تلوار کی طرح لٹکا ہوا ہے اور آزادی صحافت کی نیلم پری اس سے سہمی سہمی رہتی ہے۔ مدیران جرائد کی کونسل نے اس کالے قانون کی منسوخی کے لئے اب تک جو پاپڑ بیلے ہیں، اس پر میں انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں، ان کا جہاد ابھی جاری ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ بالآخر ان کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوں گی۔

جناب صدر! ایک محاذ پر تو آپ داد شجاعت دے ہی رہے ہیں۔ ایک اور محاذ آپ کی توجہ کا طالب ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن اگر اسے سن کر پلے باندھ لیا جائے تو ملک وقوم کے حق میں ایک نیک فال ہوگی۔ غلط یا صحیح، میرا مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے مدیران جرائد جو ملک وملت کی رہنمائی کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں اور اپنے اپنے ذریعۂ ابلاغ کے ذریعے نظریاتی بنیادوں پر اس قوم رسولِ ہاشمیؐ کے کردار کی تعمیر کا رفیع الشان کام انجام دے سکتے ہیں،..... الا ماشاء اللہ..... عوامی خواہشات کے پیچھے چل نکلے ہیں۔ وہ طلب ورسد کے ایک دائرۂ خبیثہ (VICIOUS CIRCLE) میں محصور ہو گئے ہیں۔ گھٹیا مواد کی طلب کے جواب میں رسد کا جو انتظام وہ کرتے ہیں، اس سے طلب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ ہی جانے یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوتا چلا جائے۔ پھر یہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ اخبار اور رسالہ بیچنے کی دوڑ میں ہمارے معزز مدیران جرائد دینی، اخلاقی اور مشرقی قدروں کو پیروں تلے روندے دے رہے ہیں۔ وہ ان روایات کو بھی طاق نسیاں کی زینت بنانے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں جو ربع صدی قبل تک ہمارے صحافیوں کو جان سے زیادہ عزیز تھیں۔ اپنے سیاسی رجحانات اور انداز فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی ہمارے یہ بزرگ اپنے قارئین کو وہ مواد دیتے تھے جو ان کی تعلیم وتربیت اور باخبری کے لئے ضروری سمجھتے اور اس بات کے لئے فکرمند نہ تھے کہ قاری کیا چاہتا ہے۔ جناب صدر اور معزز مدیران جرائد میری گستاخی معاف فرمائیں تو عرض کروں گا کہ رفتہ رفتہ چھپے ہوئے لفظوں کا تقدس ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اخبارات کا اعتبار اٹھ رہا ہے، CREDABILITY کو بہت ضعف پہنچ چکا ہے..... ازراہ کرم ادھر بھی توجہ مبذول کیجئے۔ اس صورت حال کو ختم کرنا اور اخبارات وجرائد کے کردار اور مقام کی بحالی بھی آپ کے مشن کا حصہ ہے۔

آپ اس دائرۂ خبیثہ کو توڑنے کے لئے اپنے معزز اراکین میں سے کسی ایک کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیں کہ ملک وملت

ی بہتری کے لئے وہ ایثار اور قربانی کا راستہ اپنالے تو نہ صرف ایک اچھی روایت قائم ہوگی بلکہ مسابقت کی دوڑ میں بھی وہ تیزی باقی نہ رہے گی جو قوم کے اخلاق و کردار کو تھکا کر مار رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہی نعم البدل کی توقع اور آخرت میں اجر کی امید اس پر مستزاد۔

اب کچھ اپنے اور اپنے ہفت روزے "ندا" کے بارے میں بھی عرض کر دوں کہ ع پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے۔ بطور صحافی میرا قد آپ میں سے ہر مہمان سے پست تر ہے، میں نے ۶۰ - ۱۹۵۹ء میں چند ماہ قلم قبیلے کی باقیات صالحات میں سے ایک مرحوم و مغفور صحافی، ملک نصر اللہ خاں عزیز کے سایۂ عاطفت میں صحافت کے ابتدائی سبق لئے تھے لیکن یہی کہ ... رفت گیا اور بود تھا۔ ان دنوں میں یونیورسٹی لاء کالج کا طالب علم بھی تھا۔ ملک صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میاں! تم کہاں قانون کے چکر میں پڑو گے، یہاں ڈیرہ لگاؤ، تمہیں پکا صحافی بنادوں گا۔ انہوں نے اپنا ہفت روزہ ایشیا میرے سپرد کیا، جسے کوثر نیازی صاحب انہی دنوں داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اس زمانے میں صحافت میں بھوک بہت تھی، چھوٹی چھوٹی تنخواہیں بھی قسطوں میں ملتیں۔ مجھے ایک کاروبار میں شرکت کا موقع مل گیا اور میں نے قلم چھوڑ کر بیلچہ ہاتھ میں لے لیا ... وہ بھی علامہ مشرقی مرحوم و مغفور والا نہیں، خر کاروں والا ... اس کے بعد ستائیس سال کا طویل عرصہ میں نے لکھا ضرور، لیکن بزبان انگریزی اور وہ بھی

COMMERCIAL CORRESPONDANCE یا
TECHNICAL SPECIFICATIONS کی شکل

میں۔ ڈیڑھ سال پہلے ایک عظیم ذاتی المیے نے میرے قلب و ذہن کی چولیں ہلا دیں۔ کاروبار سے جی اچاٹ ہو گیا اور اسے میں نے اپنے باقی بیٹوں کے حوالے کر کے اپنے بڑے بھائی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے مشن میں عملاً ان کا ساتھی بننے کا فیصلہ کیا جسے رسمی طور پر میں کئی سال پہلے ہی قبول کر چکا تھا...... وہاں جا کر پتا چلا کہ اس راہ کی سختیاں، جو عام کارکنوں کو درپیش ہیں، بڑھاپے میں اور کمزور صحت کے ساتھ میرے لئے جھیلنا آسان نہیں۔ محسوس ہوا کہ ایک مورچے میں ابھی جگہ خالی ہے، اگر قلم ہی دوبارہ سنبھال لوں تو شاید اپنی عاقبت سنوارنے کا کچھ سامان کر سکوں گا۔ تو حضرات گرامی! یہ ہے وہ مختصر افسانہ جسے آپ چاہیں اور "چچا چھکّن نے رسالہ نکالا" کا عنوان بھی دے لیں تو مجھے اعتراض نہ ہو گا۔ تاہم میں اس راستے کی صعوبتوں سے بے خبر نہ تھا۔ ہمارے ہاں ان دنوں روزناموں کے جو تیور ہیں، ان کی موجودگی میں ماہناموں کو بھی دشواری کا احساس ہوتا ہے، ہفت روزوں کا ذکر ہی کیا -- اور پھر اپنے ہفت روزے میں جس مال کا خوانچہ میں نے لگایا، اس کے گاہک اب ملتے کہاں ہیں؟ -- بایں ہمہ، صاحب صدر! آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ملکی صحافت میں سیاسی ہفت روزوں کا ایک کردار ہے، جو انہیں..... تندیٔ باد مخالف میں بھی..... نبھانے کی فکر کرنی چاہئے۔

اس روایت کو دم توڑنے نہیں دینا چاہئے۔ اس سلسلے میں ایک اور لطیف نکتہ واقفان حال کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ میرے بھائی، ڈاکٹر اسرار احمد اپنے فکر اور انقلابی طریقہ کار کا رشتہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور سے جوڑتے ہیں..... اگرچہ اول الذکر مرحوم و مغفور وہ، جو کچھ کہ وہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک تھے اور ثانی الذکر وہ، جو کچھ کہ وہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک تھے۔ اور میرے قلم کا، دور دراز کا سہی، کوئی تعلق ہے تو ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم و مغفور سے، جو "حزب اللہ" میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اللہ کی شان ہے کہ آج کان بیعتِ ارشاد و سلوک کے سوا کسی بیعت سے نا آشنا ہو گئے ہیں۔ تشکیل جماعت کے لئے، رسم دنیا سے منہ موڑ کر، بیعت کا مسنون طریقہ اپنانا طنز و استہزاء کا موضوع بنتا ہے ع کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں .... یوں ہم دونوں بھائیوں کی کاوشوں کے ڈانڈے، نسبت و تناسب کے بغیر، الہلال اور البلاغ والے مولانا آزاد پر آکر مل جاتے ہیں۔

بعد کے کانگرسی رہنما اور بھارت کے مرکزی وزیر تعلیم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں......... آپ کے سامنے تاریخ کا ایک اور ورق پلٹتا جاؤں' جس پر وقت نے دھول ڈال دی ہے۔ ملک نصر اللہ خاں عزیز جماعت اسلامی میں شرکت کے بعد مولانا آزاد کے پاس دعوت شمولیت لے کر پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ اول تو مودودی صاحب کی استعداد سے میں واقف نہیں اور ثانیاً میں ان کی جماعت میں شامل ہوا تو پالیسی میں دوں گا...... وہ الٹے پیروں واپس آگئے......... یہ بزرگوں کی باتیں تھیں' ہم خوردوں کی سمجھ میں شاید نہ آئیں بس ریکارڈ درست کر لیا جائے۔

آخر میں میں آپ حضرات کو گواہ بنا کر اپنے اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میرے پرچے "ندا" نے جو انداز اپنایا ہے اسے برقرار رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا کرے کہ کوئی ترغیب و تحریص یا تحقیر و استہزاء میرے پائے استقلال میں لرزش نہ آنے دے اور میں کسی ادنیٰ درجے میں سہی' ان روایات کا چراغ پھر سے روشن کر سکوں جو ہمارے بزرگ صحافیوں نے قائم کیں کہ بقول اقبال علیہ الرحمتہ ؎

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

اگرچہ اس کام میں مجھے جو تعاون ملا' بسر و چشم قبول کروں گا' لیکن میں اپنے قلم کو مالی منفعت کے لئے استعمال نہ کروں گا۔

جناب صدر! آپ کی اجازت سے' میں ذکر کرنا چاہوں گا کہ میرا مرحوم بیٹا' محمد حمید احمد' جو ڈبل MATH کے ساتھ بی ایس سی کرنے کے بعد' نہ صرف میرے کاروبار کا ایک ستون بنا بلکہ قرآن اکیڈمی میں ٹھیٹھ دینی علوم میں دو سال لگا کر' اپنی موت کے وقت تیسرے سال کی EVENING CLASS کا طالب علم بھی تھا اور ساڑھے چوبیس سال کی عمر میں' سڑک کے حادثے میں لقمۂ اجل بننے سے پہلے اپنی آخری کلاس ATTEND کر کے گیا تھا۔ اسی کے نام پر میں نے وہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی بنائی ہے' جو ہفت روزہ "ندا" کے نفع' نقصان کی ذمہ دار ہے اور ضروری قانونی کارروائی کے بعد' میں اسے ایک ٹرسٹ کی شکل دے دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

میں ایک بار پھر آپ سب کا' تشریف لانے اور میری باتیں سننے پر' شکریہ ادا کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

(ماخوذ از شمارہ ۹)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"نِدا" کی صدا

کہا اقبالؔ نے شیخِ حرم سے
تہہِ محراب مسجد سو گیا کون!
نِدا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

"ندا" کے سرورق پر شاعر مشرق اور مصور پاکستان کا یہ قطعہ درج تو ہے لیکن اتنا باریک اور غیر نمایاں کہ ہمیں خود محسوس ہوا کہ ملت کے حدی خواں کی یہ آواز' جس میں رمز بھی ہے طنز بھی' کانوں تک پہنچنے سے رہ نہ گئی ہو' "ندا" جس کی صدائے بازگشت ہے۔ ہم نے پچھلے دو شماروں میں اپنے قارئین کو یہ موقع تو فراہم کیا ہے کہ وہ خط کا مضمون بھانپ لیں' لفافہ دیکھ کر! لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صاف بات کی جائے..... اشاروں کنایوں کی چلمن کی اوٹ کیوں۔

امت مسلمہ آج وطن اور نسل کے فرق و امتیاز کے بغیر' پوری دنیا میں ایک ہی مرض کی ہلاکت خیزی کا شکار ہے۔ اور وہ مرض ہے خود فراموشی۔ خود فراموشی کی علامات سونے سے پیدا ہوں یا کھونے سے' علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے جسے خود اقبالؔ نے خودی کا نام دیا۔ فلسفۂ خودی کو یاروں نے مطلب و معانی کے سَو سَو جامے پہنائے لیکن اللہ بھلا کرے سید نذیر نیازی کا' جنہوں نے زبان شاعر سے سنی ہوئی اس وضاحت کی روایت بیان کر کے حقیقت کو پردوں سے نکال باہر کیا کہ اقبالؔ کی "خودی" سورۂ حشر کی آیت ۱۹ سے ماخوذ ہے جس کا رواں ترجمہ یوں ہے کہ ان لوگوں میں مت شامل ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا' سو اللہ نے بھی ان سے فراموشی کو رویہ اختیار کر لیا اور ایسے ہی لوگ تو فاسق ہیں۔

اپنے مقصود و مطلوب کو بھول بیٹھنا اپنے آپ کو بھول جانا ہے بلکہ اس سے بھی بڑی اذیت۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کا حصول ہی ہماری اصل غایت تخلیق ہے۔ اللہ ہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے جسے بُھلا کر ہم نے اپنے مہربان اور رحیم و کریم خدا سے گویا کہہ دیا ہے کہ وہ بھی ہمیں بھول جائے' ایسے میں "ہم تجھے بھولے ہیں

لیکن تو نہ ہم کو بھول جا" کی دعا شاعرانہ خیال آفرینی تو ہے، اللہ کے اپنے وضع کردہ قاعدے قانون سے مطابقت نہیں رکھتی۔

ہماری مسجدوں کو رونق دینے والے اور منبر و محراب کو زینت بخشنے والے محو خواب ہیں۔ زندہ و متحرک دین کے رگوں میں اتر جانے والے تقاضوں سے بے خبر۔ تُو فقط اللّٰہ ھُو، اللّٰہ ھُو، اللّٰہ ھُو۔ زمانہ چال قیامت کی چل گیا ہے، دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی، اسے اب وضو اور طہارت کی برکات سنا کر مسلمان نہیں کیا جا سکتا۔ باطل نظریات کے مضبوط تانے بانے کو اسلام کے انقلابی فکر کی ضرب کلیمی سے ہی توڑا جا سکتا ہے۔ حاملان دین کو بسم اللہ کے گنبد سے نکل کر علوم و افکار جدیدہ کے لوہے کو حکمت قرآنی کی کاٹ پر رکھنا ہو گا۔ علمائے دین کی خدمت میں "ندا" بصد ادب عرض کرتا رہے گا کہ اُدھر بھی توجہ فرمائیں اور اِدھر بھی دیکھیں کہ ان کی امامت میں نماز کے لئے صف بستہ ہونے والے، ان کے اہل خانہ اور ہمسائے "مذہب" کی رسوم ادا کر کے "دین" کے مطالبات سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ حکمت و احکام کتاب کی تعلیم اور نفوس کا تزکیہ نبی خاتم ؐ کے نائب و وارث ہونے کی حیثیت میں ان کا اولین فریضہ ہے۔ وہ یہ کام کریں تو معاشرے اور ابلاغ عامہ کی لوریاں لوگوں کو مست نہ کر سکیں گی، ان میں دین کا وہ علم و شعور اور اس کے لئے وہ حمیت و غیرت پیدا ہو گی کہ یہاں دین حنیف کو مذاق کا موضوع نہ بنایا جا سکے گا، اسے کھیل نہ سمجھ لیا جائے گا۔ آپ نے اسلام کی "غربت" کے زمانے میں شعائر دینی کو، کونوں کھدروں میں بیٹھ کر ہی سہی، محفوظ رکھا اور ہم تک پہنچایا تو اس عظیم احسان پر ہم آپ کے شکر گذار ہیں لیکن خدارا اب وقت کے تیور پہچانیئے، تہذیب و تمدن کے تیز و تند دھارے کا رخ دیکھئے جس میں اسلاف کی امانت خس و خاشاک کی طرح بہے جا رہی ہے۔

اور ان اہل دانش، علوم جدید کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ اور تازہ فلسفہ ہائے حیات کی باریکیوں کے شناسا دوستوں اور بزرگوں سے "ندا" درخواست کرتا رہے گا کہ مغرب کے سحر میں کھو نہ جائیں۔ مانا کہ افکار مغرب کی چکاچوند آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔ آپ ہی کھو گئے تو ہم جیسے عامۃ الناس منزل کا سراغ کیسے پائیں گے۔ آپ جیسے ستاروں کو نشان راہ دکھانے والے ہم میں موجود ہیں، پھر بھی ہم کسی مرد راہ داں کو ترستے ہیں۔ فقہ کی موشگافیوں اور فرقہ وارانہ علامات سے بیزاری آپ میں بددلی پیدا کر رہی ہے تو انہیں فی الحال طاق نسیاں میں رکھ دیجئے اور منبع حکمت و ہدایت کی طرف رجوع کیجئے، قرآن حکیم کا اس نیّت سے مطالعہ کیجئے کہ اس سے آپ کو رہنمائی مطلوب ہے۔ یہ عظیم کتاب جسے معاند اور دشمن بھی علم کا خزانہ اور "انقلابی لٹریچر" مانتے ہیں، صرف انہی لوگوں کو استفادے کی ضمانت دیتی ہے جو اسے طلب ہدایت کے لئے حرز جاں بنائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ علم و فلسفہ کے عقدے کیسے وا ہوتے ہیں، فکر کی گرہیں کیسے کھلتی ہیں، فقہی مسائل کتنے آسان ہو جاتے ہیں اور فرقہ واریت کیسے تحلیل ہو جاتی ہے۔

"بنیاد پرستی" سے خائف انسانیت کے مغربی اجارہ دار، ان کے بظاہر حریف بباطن حلیف مشرقی دوست اور

ہندی و یہودی مہاجن لرزہ براندام ہیں کہ دنیائے اسلام میں احیاء کی لہر اٹھ رہی ہے۔ ان کے صنم خانوں میں کہیں بھونچال نہ آجائے' چھوٹے بڑے بت منہ کے بل گر نہ پڑیں لیکن اے "ندا" کے مخاطب بزرگو اور دوستو! آپ کے یہی لیل و نہار رہے' آپ بھی بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ میں بھٹکتے رہے 'فکر چھوڑ کر ذکر میں مگن رہے' خدا کو فراموش کر کے خود فراموشی کے طلسم میں پھنس گئے اور پتھر کے بت ہو گئے تو یہ لہر دب کے رہ جائے گی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے عروج کا یہ بحر ظلمات اسے نگل لے گا۔ جو جسم انسانی کو تو فردوس بریں سے ہم کنار کرنے کی کوشش میں ہے لیکن اس میں مستور روح ربانی جس سے سہمی جاتی ہے...... "ندا" کی کوشش ہو گی کہ اس کی نحیف آواز میں اپنی آواز ملانے والے قارئین کا ایک حلقہ بھی پیدا ہو جائے۔ بس یہی ہماری ندا ہے

ع

اور درویش کی صدا کیا ہے!

(ماخوذ از شمارہ ۳)

مِلّت کا اصل المیہ

مدیر "ندا" کے قلم سے

دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زائد انسانوں پر مشتمل ملت اسلامیہ جسے کفر کی ملت واحدہ کے مقابلے میں جسد واحد ہونا چاہئے تھا' نہ صرف ٹکڑوں اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے بلکہ باہم دگر آویزش کے باعث نقصان مایہ اور شماتتِ ہمسایہ کا شکار بھی ہے۔ حال کی تاریخ میں مجاہدین افغانستان نے اگر ایک روشن باب کا اضافہ کیا تو پڑوس میں ہی تقریباً اتنے ہی عرصے سے جاری ایران عراق جنگ ایک متوازی تاریک باب رقم کر رہی ہے اور دونوں کا مستقبل شکوک و شبہات کی بے یقینی میں جیسے دھندلایا ہوا سا ہے' وہ الگ۔ قبلہ اول کو اغیار کے غاصبانہ قبضے میں گئے اکیس (۲۱) سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا ہے اور اس کی بازیافت کی کوئی امید بر نہیں آتی۔ فلسطینیوں کو غلامی اور غریب الوطنی کا داغ اٹھاتے چالیس سال ہونے کو آتے ہیں اور ان پر افتاد بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے' کمی کے کوئی آثار نہیں۔ چالیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کو آزادی و خود مختاری دلاتے دلاتے ہم نے ان کے طوق غلامی کو زیادہ بھاری ہی نہیں کروا ڈالا' اس مملکت خداداد کو بھی دولخت کرا بیٹھے جسے دنیا کی سب سے بڑی اقلیم مسلم ہونے کا اعزاز اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نقطہ آغاز ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی اس کثیر تعداد کا بہت بڑا حصہ بظاہر آزاد و خود مختار اور ذرائع و وسائل سے مالا مال ہے لیکن کفر و الحاد کی علم بردار قوتوں کی فکری' علمی اور تہذیبی غلامی کا جُوا بدستور اس کی گردن پر رکھا نظر آتا ہے۔

ان دنوں کوئی ایسی نئی بات تو نہیں ہوئی جو ہمیں اس رونے کو لے بیٹھنے پر مجبور کرتی تاہم اتفاق سے ۲۱ اپریل کا دن جو ملت کے حدی خواں علامہ اقبالؒ کی یاد تازہ کر دیتا ہے' رمضان المبارک میں آیا اور دونوں کا تعلق کتاب ہدایت یعنی قرآن حکیم سے بہت گہرا ہے۔ ادھر فکرِ اقبال کے مجاوروں نے حسبِ دستور عرس منایا اور ان کے فکر کے حوالے سے ملّائیت اور تصوف کے لتّے تو لئے لیکن یہ نہ بتایا کہ ان کے پیغام کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم برزمیں افتندہ ای
در بغل داری کتابِ زندہ ای

یعنی اے امتِ مسلمہ تو قرآن سے دوری کے باعث ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ تیرا گردشِ زمانہ سے شکوہ بجا نہیں۔ تجھے تو شبنم کی طرح زمین پر گرا پڑا نہیں ہونا چاہئے تھا جبکہ ایک زندہ و پائندہ کتاب تیری بغل میں ہے۔ اور اُدھر رمضان المبارک میں قرآن حکیم کا پڑھنا اور سننا تو گلی گلی ہو رہا ہے لیکن محض ثواب کی خاطر۔ اس سے روشنی اور رہنمائی کی طلب اور امید رکھنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

یہ نعرہ کہ ملتِ اسلامیہ کی اساس ایک اللہ' ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر ہے' سب کانوں کو آشنا لگتا ہے لیکن کتنے ہیں جو اس کے مضمرات پر غور کرنے کی زحمت بھی اٹھاتے ہوں۔ توحید الٰہی تو ملتِ اسلامیہ ہی کی نہیں وحدتِ انسانیت کی بھی بنیاد ہے اور پھر ان دیکھے خدا کو ماننے والوں کی اقوام غیر میں بھی کمی نہیں۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مشن مکمل کر کے' انسانیت کو جنتِ ارضی کا ایک نمونہ دکھا کے' پیچھے آنے والوں کے لئے اپنے نقوشِ پا چھوڑ کر اور نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر کے اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ ہاں ایک کتاب

وہ چھوڑ گئے ہیں اور وضاحت فرما کے گئے ہیں کہ اس کی شکل میں تمہارے لئے میں حبل اللہ المتین 'اللہ کی ایک مضبوط رّسی چھوڑے جارہا ہوں 'اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو فلاح پاؤ گے ورنہ اسلام اور مجھ سے نسبت تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ اللہ کی وہ مضبوط رّسی قبول صورت لکھائی چھپائی میں اور خوش شکل مجلدوں میں ہر مسلمان گھرانے میں موجود ہے لیکن افسوس کہ ملتِ اسلامیہ کی اصل 'محسوس اور موجود اساس ہی کو ہم چھوڑ بیٹھے اور متبادل اساسات کی تلاش میں اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیے مار رہے ہیں۔ ہمارا ماضی اور بزرگوں کا ورثہ شاندار ہے اور دشمن بھی اس کی عظمت کے قائل ہیں لیکن اپنا حال اور اپنی کمائی ناگفتہ بہ۔ وجہ اس تغیرِ حال کی واحد ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن سے دُوری اور مجوری ہی ملتِ اسلامیہ کا اصل المیہ ہے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کے زعماء' مفکرین اور دانشوروں نے اتحاد و تقویتِ ملت کے سینکڑوں ٹونے ٹوٹکے آزما کے دیکھ لئے ہیں۔ قومیت' وطنیت' نسل' زبان' مادی وسائل' ترقی کے زینے' رابطے' کانفرنسیں' جمہوریت' اشتراکیت غرض کون سا حربہ ہے جو استعمال نہیں ہو چکا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ نیم حکیموں کے نسخوں اور پیروں فقیروں کی جھاڑ پھونک سے یہاں کچھ حاصل نہ ہو گا کیونکہ ع

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

مسلم ممالک میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ کار ہے 'وہ اور تو سب کچھ کرنے کو تیار ہیں' کوئی بات نہیں منظور تو وہ رجوع الی القرآن ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ انہیں " و اعتصمو بحبل اللّٰہ جمیعًا و لا تفرقوا " ہی سے کد ہے۔ وہ سب مل کر اللہ کی رّسی کو تھام لیں تو پھر تفرقہ کیسا۔ یہ رّسی تو انہیں یک جان کر دے گی 'بنیان مرصوص بنا دے گی۔ افسوس کہ انہیں در در بھیک مانگنا بھلا لگتا ہے 'اگر حجاب آتا ہے تو ایک ہی دروازے سے جس پر دھرنا مار بیٹھیں تو بے طلب بھی ملے گا اور اغیار کے آگے دریوزہ گری سے گلو خلاصی الگ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی انقلابی دعوت ان کے ذاتی مفادات کو گالی کی طرح لگتی ہے۔

دنیا بھر میں جہاں جہاں احیائے اسلام کی بات ہو رہی ہے وہاں بھی بات تب ہی بنے گی جب دعوت و اصلاح کا ذریعہ اور انقلاب کا آلہ قرآن ہو گا۔ اسی سے وہ رنگ ملے گا' صبغت اللہ 'جو ہر گورے کالے کو یک رنگ کر دے اور اسی کی زبان وہ ذریعہ ابلاغ ہے جس سے نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر سب ایک ہی بولی بولنا شروع کر دیں گے۔

آیئے رجوع الی القرآن کا آوازہ بلند کریں۔ اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ اور اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔ یہی ہمارا امام ہے' یہی نور و ہدایت' یہی رحمتِ الٰہی اور یہی دلیل و حجت۔ اس کی طرف بلانے میں وہ لکیریں بھی ہمارے درمیان حائل نہیں جنہیں جدید پولیٹکل سائنس میں ملکی سرحدیں کہا جاتا ہے۔ اے اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرما

(ماخوذ از شمارہ ۹)

●●●●●●●●

خبردار! دشمن تاک میں ہیں

سچ پوچھیے تو اپنے سب سے بڑے دشمن ہم خود ہیں۔ وطن عزیز کے استحکام کی واحد اساس۔ اسلام۔ سے دوری ہم نے جانتے بوجھتے اتنی بڑھائی کہ اب یہ خلیج شاید ہی پاٹی جاسکے۔ آسائشوں اور نعمتوں کی جو بارش اللہ تعالیٰ نے اس غریب ملک کے امیر باسیوں پر بطور آزمائش کی' اسے ہم نے اپنی خرمستیوں کا انعام سمجھا اور آج اس کے شکرانے میں ہم مادیت کے غلیظ ترین شرکِ معنوی میں پوری طرح ملّوث اور جدید ٹیکنالوجی کی دجّالیت کا آسان ہدف بنے ہوئے ہیں۔ اس ملک خداداد کی بقاو سالمیت کو سب سے مہیب خطرہ ہمارے اپنے کرتوتوں سے ہے۔

لیکن باہر سے بھی خیر کی خبریں نہیں ملتیں۔ راوی چین نہیں لکھتا ہے۔ ہم کبوتر کی طرح بلی نے خطرے کے مقابلے میں آنکھیں بند کرلیں ' شترمرغ کی مانند دشمن سے دفاع میں سر ریت میں دے بیٹھیں اور کچھوے کے سے انداز میں اپنے خول میں مقید ہو کر اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھنے لگیں تو اور بات ہے' ورنہ خطرات کا شعور و ادراک حفاظتی تدابیر اور دفاعی حکمت عملی کی اولین شرط سمجھی جاتی ہے۔ حکومت کو اپنے ذرائع اور وسائل کی بدولت ان خطرات کی بہت بہتر آگہی اور واقفیت حاصل ہو گی جن کی بُو عام لوگ بھی سونگھ رہے ہیں' تاہم پیش بندی میں سنجیدہ دوڑ دھوپ کے آثار نظر نہیں آتے یا قوم کو اتنا بالغ نظر نہیں سمجھا جا رہا کہ اعتماد میں لے لیا جائے۔

معاہدۂ جنیوا کے نتیجے میں جو تبدیلیاں متوقع ہیں اور علاقے کی صورت حال جو نقشہ پیش کر سکتی ہے' اس کا ایک حسین اور امید افزا مرقع تو خود ہمارے اس شمارے میں تجزیے کے طور پر شامل ہے جس پر ہم اپنے رفیق کار سے تو یہی کہتے ہیں کہ ؏

تری آواز مکّے اور مدینے

لیکن دوسری طرف اہل نظر جن خدشات اور اندیشوں کا برملا اظہار کر رہے ہیں وہ بھی کم لائق توجہ نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ روسی ریچھ قابو میں آئے ہوئے شکار پر سے اپنی گرفت اس آسانی کے ساتھ ڈھیلی نہیں چھوڑا کرتا اور پھر اس علاقے پر غلبہ و تسلط اور اس کے گرم ساحلوں تک رسائی کا خواب صرف روسی کمیونسٹوں نے نہیں دیکھا' زاروں کے زمانے سے ان کی رال اس پر ٹپک رہی ہے۔ خلیج کی اہمیت نے بعد میں اس کی دلکشی میں جو چار چاند لگا دیئے وہ الگ۔ روس مجاہدین کی سرفروشی کے طفیل اپنی افواج قاہرہ کو بے نیلِ مرام واپس لے جانے کی جو سبکی اور ہزیمت اٹھا رہا ہے' اس کا داغ جدا۔ کچھ عجب نہیں کہ روسی قیادت خود ہی اس معاملے میں باہمی بحث و نزاع میں الجھ پڑے' افغانستان سے سرخ فوج کی واپسی کھٹائی میں پڑ جائے اور روس اپنے پنجے اس علاقے میں پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے گاڑنے کا فیصلہ کر لے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ روس اپنے حواری اور لے پالک ڈاکٹر نجیب اللہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا جا رہا ہے یا اس کی بقاو سلامتی کے لئے اس نے اتنی ٹھوس منصوبہ بندی کی ہے جس پر کٹھ پتلی حکومت کو بھی اطمینان کا اعلان اور خود اعتمادی کا اظہار کرنا آسان ہو گیا۔ اسی اشاعت میں افغانستان کی دہشت گرد اور سفّاک خفیہ تنظیم "واد" کے بارے میں جو حقائق اور اعداد و شمار ایک مربوط مقالے کی شکل میں دیئے جا رہے ہیں' ان میں کچھ بھی صداقت ہے تو ہمارے لئے اپنی غیر محفوظ شمال مغربی سرحد کی طرف سے اطمینان کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ پھر باخبر حلقوں کی طرف اٹھائے جانے والے اس سوال کا بھی کوئی تسلی بخش جواب اب تک نہیں ملا ہے کہ سفارتی تعلقات کی چالیسویں سالگرہ منانے میں گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ مسلمانوں کی اس نوزائیدہ ریاست سے روسی مخالفت و مخاصمت اور بغض و عناد کی چالیس

سالہ تاریخ آن واحد میں حرف غلط کیسے ہو جائے گی۔

ادھر ہماری طویل جنوب مشرقی سرحد کے اس پار ہندو رام راج کا ناگ پھنکار رہا ہے۔ حالیہ سیاسی تبدیلیوں سے ہمارے لئے حالات کی سازگاری کے تھوڑے بہت جو امکانات پیدا ہوتے ہیں' وہ اس کی بے قراری اور پیچ و تاب میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ پاکستان کے نرم پیٹ' سندھ' میں جو لاوا ایک رہا ہے اور جس کی طرف سے اعراض و اغماض ہماری حکومت کی مستقل روش ہے' بھارت کو "سندھ کارڈ" استعمال کر ڈالنے کی ایک قائم و دائم دعوت ہے۔ پنجاب میں سکھوں کے ہاتھوں پریشانی اٹھاتے ہوئے وہ بار بار اپنی خفت مٹانے کے لئے ہم پر الزام کا پتھر لڑھکاتا' دانت پیستا اور جارحیت کے بہانے ڈھونڈتا رہا ہے۔ ہم کشمیر کے ذکر پر آہ بھی بھرتے ہیں تو اسے ناگوار گزرتا ہے اور سیاچن کی جھڑپوں پر واویلا کرتے ہوئے وہ ہمارے اہم اور حساس شمالی علاقے کے بارے میں کھل کر جن عزائم کا اظہار کرتا ہے ان کا مفہوم کوئی راز نہیں۔ اس کا ارادہ بہت سے دیگر اہم مقاصد کے حصول کے علاوہ ہمارا زمینی رابطہ اس ہمسائے سے کاٹ دینے کا بھی ہے جس کی قابل اعتماد دوستی اور آڑے وقت میں معاونت پر ہم ایک حد تک تکیہ کر سکتے ہیں۔

روس اور بھارت سے خوشگوار تعلقات کا ماحول ہماری لاکھ ضرورت سہی' علاقے میں امن و سلامتی کی فضا کا اس پر انحصار بھی بجا لیکن اس کا کیا کیجئے کہ ع میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح۔ روس ہمارے لئے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ تلاش کر بھی لے تو بھارت ہمارے لئے اپنی اس ازلی دشمنی کا سیلاب بلا کس کے گھر لے جائے گا جو اسے گھٹی میں پلائی گئی ہے۔ ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے کر بھی "جگرِ لالہ" میں ٹھنڈک نہیں پڑی۔ ہمارا وجود اس کی طبع نازک پر ایک مستقل بوجھ ہے جس سے چھٹکارا پانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہ دے گا۔

دشمنوں کے درمیان بتیس دانتوں میں زباں کی طرح گھرے ہوئے پاکستان کا مجازی ملجا و ماوا امریکہ ہے جو اپنی وفاؤں کا یقین دلاتے نہیں تھکتا۔ چلئے ع ہمیں یقین ہوا' ہم کو اعتبار آیا۔ اس کی محبت و دل جوئی کی ادائیں اور اقتصادی و دفاعی امداد (خیرات یا قرض؟) صرف افغانستان کے قضیئے کی وجہ سے نہ تھی' ایران سے ہاتھ دھونے کے بعد خلیج سے وابستہ اس کے مفادات کے تابع بھی ہے لیکن حالات کا نقشہ بدلتے کیا دیر لگتی ہے اور پھر اسکی اپنی خارجی حکمت عملی بھی تو داخلی سیاسی تبدیلیوں کی زد پر رہتی ہے۔ خلیج کی جنگ اور علاقے میں موجود تناؤ جو سعودی عرب اور ایران کے تعلقات میں حالیہ ابتری کے باعث بڑھ سکتا ہے' اس کے اثرات بھی ایران سے ہماری محبت کے باعث پاک امریکی دوستی پر مثبت نہیں ہوں گے۔

غرض اگر ہم یہ سمجھیں اور قوم کو احساس دلائیں کہ دشمن ہماری تاک میں ہیں تو یہ "شیر آیا' شیر آیا۔ دوڑنا" کا سا جھوٹا غل غپاڑہ نہیں' امر واقعہ ہے۔ لیکن دوسری طرف اپنا حال دیکھتے ہیں تو فکر مندی اور تشویش دوچند ہو جاتی ہے۔ ہمیں اپنی فوج کی وفاشعاری' جاں نثاری اور بہادری پر کوئی شبہ نہیں' شک ہے تو اس کی اعلیٰ قیادت کی صلاحیتوں پر جو عرصے سے متفرق کاموں میں کھپے رہنے اور اختیار و اقتدار کے مزے لینے کے باعث پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتماد ہو گئی ہیں۔ ہمارے جوانوں کی ہمت نے تو کبھی بھی جواب نہیں دیا۔ نہ ۱۹۶۵ء میں' نہ سقوط ڈھاکہ کے سانحہ میں اور نہ کسی اور امتحان کے وقت۔ وہ سیاچن میں آج بھی جاں فروشی کی نئی داستانیں رقم کر رہے ہیں' شدائد کو جھیلنے کے نئے ریکارڈ قائم کر رہے ہیں۔ ہماری مونچھ کبھی نیچی ہوئی تو فوجی قیادت کے ہاتھوں' جس کی دلچسپیاں نئے نئے میدان تلاش کرنے کی عادی ہو چکی ہیں۔ ملکی سیاست میں اپنے "کردار" کا اسے دوسری باتوں سے زیادہ خیال رہتا ہے۔ اور تو اور ملکی ذرائع و وسائل اور اپنی حیثیت کے تناسب سے ہماری بہت بڑی فوج کو ایک کل وقتی چیف آف آرمی سٹاف بھی میسر نہیں' ایک "ڈبل" سے کام چلایا جا رہا ہے۔

ہمارے اس گوشۂ عافیت...... پاکستان...... کا اللہ ہی حافظ ہے

(ماخوذ از شمارہ ۱۰)

کراچی
جو ایک بھیانک انجام کی طرف بڑھ رہا ہے

فسادات کی دس وجوہات —— اور
اصلاحِ احوال کے لیے دس ہی تجاویز

عبد الکریم عابد

کراچی کے تازہ فسادات نے یہ خیال غلط ثابت کر دکھایا ہے کہ شہر کراچی میں نفرت کے گھاؤ مندمل ہو گئے ہیں اور رفتہ رفتہ از خود ٹھیک ہو جائیں گے اس کے برعکس یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ہمارا مقابلہ معمولی نوعیت کے زخموں سے نہیں خطرناک ناسوروں سے ہے اور یہ معمولی مرہم پٹی سے ہرگز ٹھیک نہیں ہو سکتے ان کے لئے ایک بہت بڑے اور بہت ماہرانہ آپریشن کی ضرورت ہے۔ لیکن حکمرانوں نے سمجھا تھا کہ پرانی سندھ کابینہ سے غوث علی شاہ کو نکال دیا جائے اور اس کابینہ کے سینئر وزیر اختر قاضی کو وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر ترقی دے دی جائے تو سندھ اور کراچی کا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن بہت جلد یہ واضح ہو گیا کہ اس طرح کی تبدیلی لاحاصل رہی ہے اور آج بھی کراچی میں امن و امان کی صورتِ حال حکومت کے کنٹرول سے باہر ہے۔ تازہ فسادات کا اہم پہلو یہ ہے کہ ان کا دائرہ پہلے کی نسبت کافی وسیع اور زیادہ عمیق ہے پہلے دو تین علاقوں تک گڑبڑ محدود تھی اب شہر کے سولہ تھانوں میں کرفیو نافذ ہے اور بقیہ علاقے بھی خوف اور کشیدگی کا شکار ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ پورا ہفتہ صنعتی تعطل اور کاروباری جمود کا رہا کراچی کے سٹاک ایکسچینج کے کام نہ کرنے کی وجہ سے سارے ملک میں بازارِ حصص بند پڑے

قومی اسمبلی کے رکن اور بہاریوں کے ایک رہنما آفاق شاہد نے یہ رائے دی ہے کہ تازہ فسادات اگر پورے ملک میں نہیں تو سندھ میں نیا مارشل لا لگانے کی سازش کا ایک حصہ ہیں۔ قاضی حسین احمد، پروفیسر غفور، لیاقت بلوچ، مولانا نورانی، مولانا فضل الرحمٰن بھی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ سب کچھ حکمراں طبقہ کی اپنی سازش ہے۔ نامعلوم کار سوار اور سکوٹر سوار انتظامیہ کے آدمی ہیں جو پُراسرار انداز سے آتے جاتے ہیں۔

رہے صنعتی اور تجارتی اشیاء کی ترسیل پر بہت بُرا اثر پڑا۔ کراچی میں عام ڈاک تک کی تقسیم ناممکن ہو گئی اور ڈاک کے چار سو سے زیادہ مراکز میں سے صرف بیس ڈاک خانوں کی ڈاک تقسیم ہوئی۔ فسادات کے بعد شہر میں نئے مہاجر کیمپ بن گئے ہیں۔ سکولوں اور دوسری بڑی عمارتوں میں مختلف علاقوں کے خانماں برباد مہاجرین مقیم ہیں اور اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے بہتر حالات کے انتظار میں ہیں' تاکہ ان لُٹے پٹے شکستہ اور جلے ہوئے مکانوں کو پھر سے ٹھیک کیا جا سکے۔ فسادات میں جانی اور مالی نقصان سے زیادہ ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ قومی سیاسی جماعتوں اور خود ایم کیو ایم اور پنجابی پختون محاذ کے رہنماؤں

اس فساد میں دو بھارتی ایجنٹوں اور تین افغان "واد" ایجنٹوں کی گرفتاری کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے اور اہم انکشافات کی توقع دلائی گئی ہے۔

نے اس عرصہ میں مختلف لسانی گروہوں کے درمیان جذبۂ مفاہمت کو پروان چڑھانے کے لئے جو کوششیں کی تھیں وہ سب رائیگاں گئیں اور شہر کے مختلف علاقے آج پہلے سے بھی زیادہ لسانی نفرت اور کشیدگی کے زہر میں ڈوبے نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نسلی فسادات اب اس شہر کا مقدر ہیں اور یہ عذاب ان پر مسلط رہے گا۔ کیونکہ فسادات نے نہ تو ندامت' شرمساری اور توبہ کے احساسات بیدار کئے ہیں اور نہ اپنے انجام کے بارے میں کسی کے اندر گہرے تفکر و تدبر کا شائبہ نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس مہاجر آبادیوں میں پٹھانوں کے مظالم کی داستانیں ہیں اور پٹھان حلقوں میں مہاجروں پر سبّ و شتم ہے' نفرت کی دو دھاری تلوار ہے جو وحدت اور اخوت کو کاٹ رہی ہے۔ کرفیو کی پابندیوں کا اس نفرت کی لہر پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور یہ زہر زیرِ زمین جانے کے بعد مزید طاقتور ہو جائے گا۔ مگر یہ سب کچھ کیوں ہے؟ کراچی ایک بدترین انجام کی جانب کیوں بڑھا چلا جا رہا ہے؟ اور یہ کیسے ہو گیا کہ کراچی کے کاسموپولیٹن شہر کی کاسموپولیٹن فضا اچانک نسلی اور لسانی عصبیتوں کی آگ میں بھسم ہو گئی! اس کا ذمہ دار کون ہے اور اس صورتِ حال کا علاج کیا ہے؟

قومی اسمبلی کے رُکن اور بہاریوں کے ایک رہنما آفاق شاہد نے یہ رائے دی ہے کہ تازہ فسادات اگر پورے ملک میں نہیں تو سندھ میں نیا مارشل لا لگانے کی سازش کا ایک حصہ ہیں۔ قاضی حسین احمد' پروفیسر غفور' لیاقت بلوچ' مولانا نورانی' مولانا فضل الرحمٰن بھی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ سب کچھ حکمران طبقہ کی اپنی سازش ہے۔ نامعلوم کار سوار اور سکوٹر سوار انتظامیہ کے آدمی ہیں جو پُراسرار انداز سے آتے ہیں اور فائرنگ کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد فساد شروع ہو جاتا ہے اور پولیس' انتظامیہ موقع پر پہنچنے سے گُریز کرتی ہے۔ یہی کہانی ہے جو وقفہ وقفہ سے دہرائی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد حالات کو خراب کر کے نئے مارشل لا کے لئے جواز فراہم کرنا ہے۔

ایک دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مہاجر پٹھان جھگڑا دراصل سُنّی شیعہ جھگڑے سے شروع ہوا اور "سوادِ اعظم" جو پٹھانوں پر مشتمل تھا اس کے خلاف شیعہ مہاجروں میں رَدِّ عمل ہوا اور بہت جلد وہ لڑائی مہاجر پٹھان لڑائی میں تبدیل ہو گئی یا تبدیل کر دی گئی۔ اب شیعہ فرقے کے فوجی تربیت یافتہ کمانڈوز ہیں جو اس جھگڑے کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ پٹھان کے منفی وجود کے مقابلے میں مہاجر کا منفی اتحاد قائم رہے اور وہ اس اتحاد کا حصہ اور اس کے روحِ رواں بنے رہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ منشیات فروش اور اسلحہ فروش ایک منظم مافیا ہیں' یہ جان بوجھ کر فسادات کراتے ہیں۔ اس سے ان کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ امن و امان کی درہم برہم صورتِ حال میں وہ اپنے بچاؤ کے ٹھکانے قائم کر لیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ پختون عصبیت کو جگا کر اپنے لئے پناہ گاہیں تلاش کر لیتے ہیں اور پولیس یا انتظامی مشینری فسادات کے

دنوں میں بدحواسی کا شکار ہوتی ہے۔ ان دنوں میں ایک توان کی اسلحہ فروشی خوب زوروں پر چلتی ہے دوسرا وہ ہنگاموں سے فائدہ اٹھا کر اپنے مال کے حمل و نقل کے لئے سہولتیں حاصل کر لیتے ہیں۔ جب بھی انتظامیہ کی توجہ اس مافیا کی جانب ہوتی ہے یہ نسلی فساد پیدا کر کے اس توجہ کو اپنی طرف سے ہٹا لیتے ہیں اور حکومت کی مشینری انہیں چھوڑ کر فسادات کی روک تھام اور پکڑ دھکڑ کے کاروبار میں لگ جاتی ہے۔

چوتھا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فسادات اس شہر پر پولیس مُسلّط کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مہاجروں کو جو "پنجاب پولیس" کی مخالفت میں آواز اٹھاتے رہتے ہیں' سزا دینا اور سبق سکھانا چاہتی ہے۔ اس غرض کے لئے وہ منشیات فروشوں اور اسلحہ فروشوں کی مافیا کو کھلی چھوٹ دیتی ہے' جیسی کہ علی گڑھ کالونی میں دی گئی تھی اور اس بار بھی ایسی ہی چھُوٹ اس مافیا کو مہاجر بستیوں میں حاصل رہی ہے۔ اس کی وجہ سے مہاجروں کا بڑا جانی و مالی نقصان ہوا۔ خاص طور پر پہاڑیوں کے مورچوں سے جو حملے کئے گئے وہ کافی نقصان اور بھگدڑ کا سبب بنے۔ "پنجاب پولیس" اس لئے بھی فسادات چاہتی ہے کہ فسادات کے دوران اور بعد میں پولیس کو سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کی پکڑ دھکڑ کرنے' ان کو مار پیٹ کر اپنی بھڑاس نکالنے اور ان سے بھاری رشوتیں وصول کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لئے جب تک کراچی کی یہ پولیس ہے کراچی کے لوگ خواہ ہزار کوشش کریں وہ امن سے نہیں رہ سکتے۔

حکومت کے حلقوں کی جانب سے بار بار جو بات کہی جاتی ہے وہ پانچواں نقطۂ نظر ہے کہ ان فسادات میں غیر ملکی ایجنٹوں کا حصہ ہے یہ ایجنٹ افغان خفیہ تنظیم "واد" کے بھی ہیں اور بھارتی تنظیم "را" کے بھی جس کا مرکز راجستھان میں قائم ہے اور یہ تنظیم سندھ' کراچی کے بارے میں اپنے خصوصی منصوبہ پر عمل کر رہی ہے۔ اس فساد میں دو بھارتی ایجنٹوں اور تین افغانی "واد" ایجنٹوں کی گرفتاری کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے اور اہم انکشافات کی توقع دلائی گئی ہے۔ حکومت کا یہ بھی کہنا ہے کہ اندرونِ ملک کے ملک دشمن عناصر کا بھی ان فسادات میں ہاتھ ہے جو نظریۂ پاکستان' اسلامی وحدت اور ملکی سالمیت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ عناصر مختلف لسانی گروہوں اور تنظیموں کی صفوں میں گھُس کر فسادات کے لئے موقع کے منتظر رہتے ہیں اور وقت آنے پر کام دکھاتے ہیں انہیں بیرونی ذرائع سے بڑی بڑی رقمیں بھی مل رہی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ایجنٹوں اور ملک دشمنوں کو پکڑا کیوں نہیں جاتا؟ اس سوال کا کوئی جواب حکومت کے پاس نہیں ہے۔

چھٹا نقطۂ نظر اس بات کا مدعی ہے کہ یہ سب کچھ جناب جی ایم سید اور جئے سندھ کے ایک گروپ کی کارستانی ہے۔ جس زمانے میں سندھی' بلوچی نیشنلسٹ جیوے سندھ بلوچستان' بھاڑ میں جائے پاکستان کے نعرے لگا رہے تھے اور مہاجروں

جی ایم سید نے مہاجروں سے اتحاد کا فلسفہ پیش کیا اس فلسفہ کی رو سے یہ طے پایا کہ مہاجر قوم پرستی کو بڑھاوا دیا جائے اور اسے پنجابیوں' پختونوں کے خلاف کھڑا کیا جائے کیونکہ مرکز سے لڑنے کی طاقت سندھ کی دیہی آبادی میں نہیں۔

کے خلاف غلیظ زبان میں اظہارِ خیال کر رہے تھے' عین اس وقت جی ایم سید نے مہاجروں سے اتحاد کا فلسفہ پیش کیا اس فلسفہ کی رو سے یہ طے پایا کہ مہاجر قوم پرستی کو بڑھاوا دیا جائے اور اسے پنجابیوں پختونوں کے خلاف کھڑا کیا جائے کیونکہ مرکز سے لڑنے کی طاقت سندھ کی دیہی آبادی میں نہیں ہے' شہری آبادی ہی یہ جنگ لڑ سکتی ہے' اس لئے ہمیں اس سے اتحاد کرنا چاہئے۔ اس فلسفۂ اتحاد پر پلیجو' حمیدہ کھوڑو اور جام ساقی جی ایم سید سے ناراض ہو گئے' لیکن وہ اپنے مختصر سے گروپ کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے۔ پہلے اس کام کے لئے

محمود الحق عثمانی کے سندھ یونٹی بورڈ کو استعمال کیا اور بعد میں الطاف حسین دستیاب ہوگئے اور ایم کیو ایم ابھر کر آگئی۔ ایم کیو ایم کے ذریعے مہاجر نوجوانوں میں پنجابیوں اور پٹھانوں کے خلاف جذبات پیدا کر دیئے گئے ہیں' دوسری طرف پنجابی پختون اتحاد کے جذبات ہیں ان کا ٹکراؤ فساد کو جنم دیتا رہے گا۔

ساتواں نقطہ نظریہ ہے کہ اصل میں سیاست سے نظریہ اور نصب العین کی روح غائب ہوگئی ہے اور صرف عصبیتوں کا کھیل باقی رہ گیا ہے۔ ایم کیو ایم نے اس عصبیت کے نتیجے میں بلدیاتی کامیابی ضرور حاصل کر لی لیکن اس کی کوشش کے باوجود عصبیتوں کی سیاست ختم نہیں ہو رہی ہے' کیونکہ جن بوتل سے باہر آگیا ہے اور کسی بھی جگہ کوئی معمولی لڑائی یا حادثہ پھیل کر ایک بڑے فساد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایم کیو ایم اور پنجابی پختون اتحاد دونوں ہی اب امن چاہتے ہیں اور امن کی تلقین کر بھی رہے ہیں۔ لیکن لوگوں کو نفرتوں کی جو شراب پلا

> ہماری بیورو کریسی کا خیال ہے کہ کراچی ایک بڑا شہر ہے اسے بنیادی طور پر غیر سیاسی رہنا چاہئے کیونکہ اگر یہ سیاسی ہو گیا تو ہمارے لئے ملک پر حکومت کرنا مشکل ہو جائے گا

دی گئی ہے اس کا نشہ اپنا کام دکھاتا ہے اور ذرا سی بات فساد کے لئے بہانہ بن جاتی ہے۔ ایک بڑے شہر میں چھوٹے موٹے جھگڑے اور حادثات معمولی ہیں مگر یہاں ایک معمولی جھگڑا اور حادثہ بھی ایک فساد کو جنم دے دیتا ہے۔

آٹھواں نقطہ نظریہ ہے کہ ہماری بیورو کریسی کا خیال ہے کہ کراچی ایک بڑا شہر ہے اسے بنیادی طور پر غیر سیاسی رہنا چاہئے کیونکہ اگر یہ سیاسی ہو گیا تو ہمارے لئے ملک پر حکومت کرنا مشکل ہو جائے گا اور ملک میں انقلاب آجائے گا اس لئے کراچی کو غیر سیاسی رکھنے کی ہر تدبیر پر عمل کیا جائے اور جو تدبیر بیورو کریسی کی سمجھ میں آئی ہے وہ لڑاؤ اور حکومت کرو ہے۔ بیورو کریسی ہی ہے جو شیعہ سنی جھگڑے سے لے کر مہاجر غیر مہاجر جھگڑے تک ہر طرح کے جھگڑوں کی سرپرست ہے اور ہر فسادی گروہ کی سرپرستی کرتی ہے۔ اس سرپرستی میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ گروہ جس کی نکیل بیورو کریسی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے بے مہار ہو جاتے ہیں اور بے قابو ہو کر جو جی چاہے کر گزرتے ہیں۔ بیورو کریسی تھوڑا فساد چاہتی ہے لیکن یہ بڑا فساد برپا کر کے مسئلہ پیدا کر دیتے ہیں۔

نواں نقطہ نظریہ ہے کہ وہ دن لد گئے جب حکمراں بیورو کریسی لوگوں کو لڑاتی تھی اور خود متحد رہتی تھی اب فسادات کی ہڈیوں پر ان کے درمیان کتے بلیوں کی سی لڑائی ہے۔ بیورو کریسی ایک متحد ادارہ نہیں رہا یہ خود ہر طرح کی گروہ بندیوں اور عصبیتوں کا شکار ہے اور عصبیت و مفاد طلبی کی بنیاد پر اپنی لڑائیوں کو عوام میں منتقل کر رہا ہے۔ بیورو کریسی کا ہر حصہ دوسرے حصوں کو ناکام بنانے سے دلچسپی رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی چاندی اسی وقت ہو سکے گی جب دوسرا گروہ ناکام ہو۔ یا محض اپنے جذبۂ عصبیت یا جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے وہ ایک دوسرے کو ناکام بناتے ہیں۔ اسی طرح بیورو کریسی کے تحت کراچی شہر کو دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بیورو کریسی کے آمرانہ اور مطلق اختیارات شہر کے انتظام اور امن و امان کو درہم برہم کئے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اب اس بیورو کریسی میں وہ پہلے جیسی اہلیت بھی نہیں ہے اس کے ہاتھ پاؤں جلد پھول جاتے ہیں یہ فوراً بدحواس ہو جاتی ہے اور ہر دباؤ کے آگے جھک جاتی ہے۔

دسواں نقطہ نظریہ ہے کہ عالمی مغربی سامراج یہ سمجھتا ہے کہ آج نہیں تو کل اس سارے خطے کی نئی تقسیم ناگزیر ہو جائے گی۔ ہندوستان' پاکستان' ایران' افغانستان ان سب ممالک کی ٹوٹ پھوٹ اور تشکیلِ جدید لازمی ہے۔ اس ضمن میں کراچی اور جنوبی سندھ کو ایک الگ خطہ کی حیثیت سے قائم

رکھنے کی ضرورت ہوگی اور اس ضرورت کی تکمیل کے لئے یہ ابتدائی نوعیت کے حالات ہیں جو پیدا کر دیئے گئے ہیں اور بعد میں جب بھی ضرورت ہوگی ان حالات کے تحت یا ان سے فائدہ اٹھا کر ساحلِ سندھ کی ایک نئی حکومت بنائی جا سکتی ہے' جو مغربی سامراج کے محفوظ فوجی' تجارتی اور صنعتی اڈہ کے طور پر سب کے لئے قابل قبول بھی ہوگی۔ ممکن ہے اس خیال میں کچھ حقیقت بھی ہو' لیکن ہمارا قومی شعار یہ ہے کہ کار بد تو ہم خود کرتے ہیں اور لعنت دوسروں پر بھیجتے ہیں۔

کراچی کے فسادات کے ضمن میں یہ سب باتیں عام طور پر کہی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بات مکمل سچائی نہیں ہے اور سب باتیں مل کر بھی اصل حقیقت کو واشگاف نہیں کرتی ہیں کیونکہ مذکورہ دس وجوہات کی بنا پر فسادات یا عصبیتوں کے پھیلاؤ میں مدد تو مل سکتی ہے لیکن اگر عصبیت ہی نہ ہو اور فسادی ذہن کی جگہ تعمیری' مثبت اور صالح ذہن ہو تو وہ ان کے اثرات قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ اگر بحیثیت مجموعی معاشرے میں صحت مندانہ ذہن کا غلبہ ہے اور روح و ذہن بیمار نہیں ہیں اور توانا ہیں تو بیماری اور ہلاکت کے یہ جرثومے وجود رکھنے کے باوجود عوام میں جڑ پکڑ نہیں سکتے۔ بنیادی خرابی جو پیدا ہوئی ہے وہ اس سے ہوئی ہے کہ قومی سیاسی جماعتوں کو نہ کام کرنے دیا گیا اور نہ انہوں نے ٹھیک طرح سے کام کیا۔ اس طرح جو خالی خانے پیدا ہوئے ان پر جن بھوتوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب اگر ہم واقعی کراچی کو امن اور مفاہمت کا شہر بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ

(۱) وہ لوگ جو طاقت کا سرچشمہ بنے ہوئے ہیں اس خیال کو دل سے نکال دیں کہ ایک اور مارشل لا یا نیم مارشل لا مسئلہ کا حل ہے۔ حقیقت میں کراچی کی ساری خرابی اور تباہی مارشل لا کی پیدا کردہ ہے اور مارشل لا ہی کے دنوں میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ مارشل لا یا نیم مارشل لا کی حکومت کی بجائے سندھ اور کراچی کے مسئلہ کا قوی اور دیرپا حل یہ ہے کہ فوراً نئے الیکشن کرائے جائیں۔ اگر سارے ملک میں ممکن نہیں تو کم از کم سندھ اسمبلی کو فوراً توڑ کر جماعتی بنیاد پر نئے الیکشن ہوں اور حقیقی جمہوریت بحال کی جائے تاکہ صوبے کو اور کراچی کو ایک باوقار اور حقیقی جمہوری اسمبلی اور حکومت مل سکے' جس میں واقعی نمائندہ لوگ موجود ہوں۔

(۲) مولوی حضرات کو اپنی فرقہ پرستانہ روش ترک کرنی چاہئے۔ اس روش کے سبب بھی نوجوانوں کے ذہن سے نظریۂ پاکستان اور حقیقی اسلامی اخوت کی اہمیت اوجھل ہو گئی۔ فرقہ وارانہ کشمکش سے اگر ایک طرف اقلیتیں اپنا مفاد سیکولر سیاست اور نیشنلزم میں تلاش کرتی ہیں تو دوسری جانب اکثریت کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا اور وہ آخر کار احساس محرومی کے سبب اپنے آپ کو بدنصیب اور ستم رسیدہ خیال کر کے منفی سیاست کی جانب چل پڑتی ہے۔

(۳) منشیات فروشوں اور اسلحہ فروشوں کے لئے خصوصی سماعت کی عدالتیں بنائی جائیں۔ ان عدالتوں کے ذریعہ فوری کارروائی کے بعد سزائے موت ہونی چاہئے۔ عدالتیں تو قائم کر دی گئی تھیں مگر وہ بھی کچھ دنوں کے بعد ٹھپ ہو کر رہ گئیں۔ اس مافیا کے خلاف جنگی بنیاد پر کارروائی ہونی چاہئے اور کوئی ہرج نہیں ہے اگر فوج کو یہ ٹاسک تفویض کیا جائے۔

(۴) کراچی کی پولیس کو کراچی کے معاملات سے بالکل الگ کر دیا جائے۔ پنجاب کے ملازمین کو فوراً پنجاب واپس بلایا جائے اور مقامی لوگوں سے پولیس ملازمین کی بھرتی ہو اور مقامی پولیس بلدیہ کی تحویل میں دی جائے۔ اس سے خود پنجاب کے دانشوروں اور مدیران اخبارات نے بھی مکمل اتفاق کا اظہار کیا ہے کہ کراچی ہی نہیں ہر شہر میں پولیس نظام بلدیہ کی تحویل میں ہونا چاہئے اور کراچی کے حالات تو خاص طور پر اس اقدام کا تقاضا کر رہے ہیں۔ نوائے وقت اور جسارت نے اپنے اداریوں میں بھی کراچی پولیس کو کراچی بلدیہ کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

(۵) غیر ملکی ایجنٹ یا ملک دشمن عناصر کراچی میں سرگرم ہیں تو انہیں پکڑنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت خود بتائے کہ وہ اپنی ذمہ داری کتنے عرصے میں پوری کرے گی؟ کیا اس ذمہ داری کا خیال اس وقت آئے گا جب اوجڑی کیمپ کی

طرح ہر چیز جل کر خاکستر ہو جائے گی؟

(۶) ایم کیو ایم میں جئے سندھ گروپ کا کوئی اثر تھا تو اب یہ اثر بہت کمزور پڑ گیا ہے اور انتخابی عمل کے نتیجے میں ایک بڑی قیادت اور کارکنوں کی سطح پر نوجوانوں کی قوت سامنے آئی ہے جو جئے سندھ تحریک کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی لیکن کراچی کے شہری مسائل بالخصوص پولیس اور ٹرانسپورٹ کے مسائل نوجوانوں کے ذہن میں آگ بھڑکاتے ہیں۔ حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے اور خود ایم کیو ایم کو الیکشن کے بعد کے مجہول اور گم سم کردار کو ختم کر کے واضح طور پر شہری مسائل کے لئے آواز بلند کرنی چاہئے اور بلدیہ کے لئے اختیارات اور فنڈز کا زور و شور سے مطالبہ کرنا چاہئے۔ کراچی کے عوام کو کالاباغ ڈیم یا پنوں عاقل کی چھاؤنی کی مخالفت سے کچھ نہیں ملے گا نہیں تو اپنے حقوق اور مفاد کے لئے لڑنا چاہئے اور ایم کیو ایم کو اس لڑائی کا مظہر بننا ہو گا اور پنجابی، پٹھان کا

کراچی کی ساری خرابی اور تباہی مارشل لا کی پیدا کردہ ہے

کراچی شہر پر حق تسلیم کرنا ہو گا۔ ویسے بھی ایک صنعتی شہر کے لئے محنت کش طبقہ ضروری ہے اور پنجابی کاریگر، پٹھان مزدور خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، جو پاکستان کو حاصل ہے۔

(۷) ایم کیو ایم کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ صاف طور پر جی ایم سید سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرے اور کہے کہ ہم ان کے فلسفوں پر نفرین بھیجتے ہیں۔ ایم کیو ایم کو اپنی بنیاد مہاجر عصبیت کی بجائے شہری مسائل کو بنانا چاہئے اور ایم کیو ایم کو نئی شکل دے کر اسے عام شہریوں کا متحدہ محاذ بنانا چاہئے یا کم سے کم اسے تمام اہل کراچی کے لئے قابل قبول بنانا چاہئے۔

(۸) پنجابی پختون اتحاد کو بھی ایم کیو ایم سے مفاہمت کے لئے بے جھجک ہو کر قدم آگے بڑھانا چاہئے۔ کچھ قدم اٹھائے بھی گئے تھے اور اس کا اچھا نتیجہ نکلا لیکن حقیقی مفاہمت کے لئے یہ ضروری ہے کہ پنجابی پختون اتحاد منشیات فروشوں اور اسلحہ فروشوں کو اپنے دامن میں جگہ نہ دے اور مفاہمت کرنا ہے تو فسادی عناصر کو فساد پھیلانے کا کوئی موقع نہ دے۔ اس میں ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔

(۹) کراچی شہر پر بیورو کریسی کے ذریعہ حکومت کا طریقہ مزید خوفناک نتائج کو جنم دے گا۔ اس طریقے کو ختم کر کے نئے الیکشن کرا کے کراچی پر کراچی کے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکمرانی کی جائے۔ بیورو کریسی کا ادارہ اب ویسے بھی بیکار ہو گیا ہے اور کراچی جیسے پیچیدہ اور گنجلک شہر میں یہ کسی مصرف کا نہیں رہا۔ اس کے بجائے خود مختار کارپوریشنوں کے ذریعے شہر کا انتظام کیا جائے۔ کراچی کارپوریشن کے اختیارات بڑھائے جائیں، ٹرانسپورٹ کی ایک کارپوریشن بنائی جائے جس سے ٹرانسپورٹ کے جھگڑے ختم ہو سکیں اور عوام کو سرکاری ٹرانسپورٹ مل سکے جس کے کارکن شائستہ اور جلد مشتعل ہونے والے نہ ہوں۔ مقامی لوگوں کو روزگار دینے کی طرف خاص توجہ دی جائے کیونکہ کراچی کے نوجوانوں کی بے روزگاری نے خطرناک شکل اختیار کر لی ہے۔

(۱۰) قومی سیاسی جماعتوں کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ نئے الیکشن سے انہیں نئی زندگی ملے گی اور نظریہ و نصب العین کی حرارت جو ہمارے معاشرہ سے غائب ہو گئی ہے اسے صرف قومی سیاسی جماعتیں ہی دوبارہ پیدا کر سکتی ہیں اور یہ جماعتیں ہی ملک کو اور ملک کے عوام کو جوڑنے کا ذریعہ ہیں۔ اس بنا پر صوبہ سندھ میں فوری الیکشن وقت کا اہم ترین تقاضا ہیں۔ اختر قاضی کی کابینہ کے متعلق پہلے ہی سے پیش گوئی کر دی گئی تھی کہ اسے اگرچہ لا اینڈ آرڈر کی بحالی کے لئے لایا گیا ہے لیکن یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گی کیونکہ موجودہ صوبائی کابینہ اور موجودہ صوبائی اسمبلی بالکل جعلی ادارے ہیں۔ سندھ کے عوام نے الیکشن ۸۵ء میں ووٹ ہی نہیں دیئے تھے اور جہاں دیئے تھے وہاں بھی صورت حال بدل چکی ہے اس لئے نئے الیکشن سے جو حکومت بنے گی وہی ایک طاقتور حکومت ہو گی اور بحالی امن کے لئے کچھ کر سکے گی۔

(ماخوذ از شمارہ ۱۲)

دارالحکومت میں بجٹ کا موسم

مشکلات اور مہنگائی کا سال شروع ہونے والا ہے

بیورو رپورٹ

پچھلے ہفتے دارالحکومت اسمبلی معطل کر کے نئے انتخابات کرانے کے فیصلے سمیت طرح طرح کی لرزا دینے والی افواہوں اور اطلاعات سے گونجتا رہا، لیکن اصل خبر بس اتنی ہے کہ مشکلات اور مہنگائی کے نئے سال کا آغاز ہونے والا ہے...... ایک پورا عشرہ بے دریغ قرضے سمیٹنے کے بعد اب آخر کار وہ وقت آ پہنچا ہے جب قرضے لے کر بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اب ٹیکس لگانا ہوں گے اور اگر ٹیکس وصول نہیں ہوں گے تو اربوں روپے کے نوٹ چھاپنے ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں ماہرین کا اندازہ یہ ہے کہ امسال مہنگائی کا عفریت منہ پھاڑ کر آگے بڑھے گا اور کم آمدنی والے طبقے کی زندگی میں نئی مشکلات کا زہر گھول دے گا۔

بتایا جا رہا ہے کہ ۱۸۰ ارب روپے کے بجٹ کے لئے جو جون کے پہلے ہفتے میں پیش کیا جانے والا ہے، دس ارب روپے سے لے کر ۱۶ ارب روپے تک کم پڑ رہے ہیں جو نئے ٹیکسوں سے پورے کئے جائیں گے۔ لیکن ماہرین کا اندازہ یہ ہے کہ حکومت کو اس سے بھی زیادہ یعنی تقریباً ۲۰ ارب روپے درکار ہوں گے اور چونکہ ایک ایسے وقت میں جب قوم ٹیکس دینے کے لئے تیار نہیں اور ٹیکس وصول کرنے کا نظام ایسا ہے جس میں وصول کرنے والا سرکاری واجبات سے زیادہ اپنے "منافع" پر نظر رکھتا ہے، یہ ٹیکس آسانی سے وصول نہ ہو سکیں گے۔ لہٰذا نوٹ چھاپنا ہوں گے اور افراط زر جو اس وقت پندرہ فیصد کو جا پہنچا ہے، امسال اور زیادہ تیزی سے بڑھے گا۔

پچھلے سال کا تلخ تجربہ حکومت کے ذہن میں تازہ ہے جب ۱۷۵ ارب روپے کا بجٹ پیش کیا گیا لیکن اتنا واویلا مچا کہ دفاعی ٹیکس واپس لے کر اس کا سائز کم کرنا پڑا اور اسے ۱۶۵ ارب روپے تک لانا پڑا۔ (اگرچہ بعد ازاں یہ بتدریج ۱۷۷ ارب روپے کو جا پہنچا)۔ اس نئے ٹیکس پر وزیر خزانہ جگ ہنسائی کا موضوع بنے، لہٰذا اب کی بار چھ وزراء کی ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جو بجٹ کے سلسلے میں تجاویز مرتب کر رہی ہے۔ دارالحکومت کے سیاسی حلقے کہتے ہیں کہ یہ ایک طرح سے وزیر خزانہ یٰسین وٹو پر عدم اعتماد کا اظہار بھی ہے، لیکن خود گھبرائے ہوئے وزیر خزانہ نے اس عدم اعتماد کو قبول کر لیا ہے۔ سیاسی پنڈت اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگلے چند مشکل ہفتے گزارنے کے بعد، وزیر خزانہ اپنے اس مشکل منصب سے الگ کئے جا سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا جی بہلانے کو انہیں کوئی دوسری وزارت پیش کر دی جائے۔

غیر ترقیاتی اخراجات کا مسئلہ

جنرل محمد ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے بعد سے پچھلے گیارہ سال میں ملک کے غیر ترقیاتی اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور یہی مسئلہ اس وقت ملک کی اقتصادیات پر تلوار بن کر لٹک رہا ہے۔ اعداد و شمار کے الجھاؤ میں پڑے بغیر سیدھی سی بات یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء تک ہم اپنے یہ اخراجات (دفاع، ایڈمنسٹریشن وغیرہ) نہ صرف اپنے بجٹ سے پورا کر لیتے تھے بلکہ سات سے گیارہ فیصد رقم ترقیاتی اخراجات کے لئے بچ رہتی

تھی۔ ترقیاتی منصوبوں کے لئے مزید رقم ہم قرضوں کی صورت میں حاصل کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ اعتراض کی بات نہ تھی۔ ۱۹۷۸ء سے شروع ہونے والے پانچویں پنجسالہ

۲۶۵ر ارب روپے تمام در آمدات پر سیلز ٹیکس بڑھا کر وصول کئے جائیں گے' جبکہ ۴ر ارب روپے ملک میں مختلف قسم کی صنعتی پیداوار پر ساڑھے بارہ فیصد کی شرح سے سیلز ٹیکس عائد کر کے حاصل کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ ۵۰ر کروڑ روپے تعلیمی اداروں میں پرائمری سے اوپر کی سطح پر تعلیمی فیس میں اضافے سے حاصل ہوں گے' ۵۰ر کروڑ روپے آبپاشی میں رعایتیں ختم کرنے سے بچیں گے اور ایک ارب روپے کی دوسری رعایتیں (سبسیڈیز) ختم کی جائیں گی۔

صوبے کے مرحلے میں ایک طرف تو یہ اخراجات اس قدر تھے کہ سارا بجٹ ہی نگل گئے' دوسری طرف اس منصوبے کا بڑھ سال مکمل ہوتے ہی ہمارے علاقے میں ایک ایسی بنیادی دیلی آگئی جس نے نہ صرف ہماری اندرونی سیاست اور خارجہ یسی کو بنیادی طور پر متاثر کیا بلکہ ہماری اقتصادی زندگی میں ہاس نے غیر معمولی تغیرات پیدا کر دیئے۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں ارت خزانہ کی جیب خالی تھی اور یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ے کے مالی معاملات کیسے چلائے جائیں۔ حالت یہ ہو چکی تھی

کہ اگلے سال کی چاول کی پوری فصل گروی رکھ کر 'بینک آف کریڈٹ اینڈ کامرس (بی سی سی آئی) سے ایک سو ملین کا قرضہ حاصل کرنے کی بات چیت جاری تھی اور یہ قرض ۱۴ر فیصد سود پر حاصل کیا جانا تھا' جو شاید پاکستان کی تاریخ میں سب سے بڑی شرح سود ہوتی...... لیکن اچانک یہ ہوا کہ روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں' روٹھا ہوا امریکہ اور بے اعتنائی میں مبتلا مغربی یورپ' مشرق وسطیٰ اور جاپان جیسے ممالک فوراً ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ اگلے چند سالوں میں امریکہ بہادر' عالمی بنک' بین الاقوامی مالیاتی فنڈ' جاپان' سعودی عرب اور کویت نے ہمیں اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنی آسانی سے قرضے فراہم کئے کہ نہ صرف ملک کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی' بلکہ ایسی آسان شرائط پر شاید ہی کبھی کسی کو قرضے ملے

جونیجو حکومت جسے اقتدار منتقل نہیں کیا گیا بلکہ اقتدار میں محض شریک کیا گیا ہے' معاشی معاملات میں اس سے کہیں زیادہ کمزور اور انحصار کرنے والی حکومت ہے جتنی کہ وہ سیاسی معاملات میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کی اقتصادی پالیسیوں پر آج بھی وہ لوگ اثر انداز ہو رہے ہیں جنہوں نے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک بہترین وسائل کو بدترین طریقے سے ضائع کیا۔

ہوں گے۔ غلام اسحٰق خاں کی قیادت میں منصوبہ بندی کرنے والے حکمرانوں نے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے حاصل کئے گئے ۱۷ر بلین ڈالر'

امریکہ سے وسیع تر امدادی پروگرام کے تحت حاصل ہونے والے ۳ء۰۲ر بلین ڈالر اور دوسرے ملکوں سے حاصل ہونے والی امدادی رقوم ایک آسان اور پُر سہولت راستہ اختیار کرنے پر صرف کی جانے لگیں۔ دفاعی اخراجات بڑھائے گئے' سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ ہوا' نئے ڈویژن' اضلاع اور تحصیلیں وجود میں آئیں۔ سرکاری ملازموں کی تعداد حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ بڑھی اور یوں غیر ترقیاتی اخراجات سوا ارب روپے کے لگ بھگ ہوگئے۔ باخبر ذرائع کے مطابق ۸۹۔۱۹۸۸ء کے بجٹ میں یہ اخراجات ۱۳۸ر ارب روپے ہوں گے۔ اس میں دفاع کے لئے ۴۵ء۵ ارب' ایڈمنسٹریشن کے لئے ۱۴ء۵ر ارب' سبسیڈیز (مختلف اشیاء کی رعایتی قیمتوں) کے لئے ۸ء۵ر ارب' قرضوں کی ادائیگی کے لئے ۲۷ء۴۳ر ارب' بلدیاتی اداروں اور دوسری گرانٹس کے لئے ۸ر ارب اور مختلف سماجی و اقتصادی سروسز کے لئے ۳۴ء۵ر ارب روپے مختص ہوں گے۔

مسئلہ یہ ہے کہ یہ اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے۔ وزارت خزانہ کے اندازوں کے مطابق اگلے سال ۱۲۶ء۵ر ارب روپے کی آمدن متوقع ہے۔ اب ترقیاتی اخراجات کو تو ایک طرف رکھئے' خود غیر ترقیاتی اخراجات کے لئے مزید ساڑھے گیارہ ارب روپے کی ضرورت ہے اور یہی وہ اصل سوال ہے جو اس وقت مسلم لیگی حکومت کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ جس کے لئے صلاح و مشورے ہو رہے ہیں' کمیٹیاں بن رہی ہیں اور نسخے تجویز کئے جا رہے ہیں۔ وزارت خزانہ کے ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق حکومت آئندہ مالی سال کے دوران ایک ارب روپے رعایتوں میں کمی اور ٹیکس کی وصولی کا نظام بہتر بنا کر حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ۲ء۵ر ارب روپے تمام درآمدات پر سیلز ٹیکس بڑھا کر وصول کئے جائیں گے' جبکہ ۴ر ارب روپے ملک میں مختلف قسم کی صنعتی پیداوار پر ساڑھے بارہ فیصد کی شرح سے سیلز ٹیکس عائد کر کے حاصل کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ ۵۰ر کروڑ روپے تعلیمی اداروں میں پرائمری سے اوپر کی سطح پر تعلیمی فیس میں اضافے سے حاصل ہوں گے' ۵۰ر کروڑ روپے آبپاشی میں رعایتیں ختم کرنے سے بچیں گے اور ایک ارب روپے کی دوسری رعایتیں (سبسیڈیز) ختم کی جائیں گی۔ عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا اصرار ہے کہ ملک میں بجلی' گیس اور پٹرول کی قیمتیں بڑھائی جائیں اور ریل کے کرایوں میں اضا کیا جائے۔ نئے سال کا بجٹ اگر یہ اضافے اپنے ساتھ نہیں لائے گا تو کچھ عرصے کے بعد یہ قیمتیں بڑھادی جائیں گی کہ ن اقتصادی اعتبار سے انحصار کی جس راہ پر چل نکلے ہیں' ۲۱ میں ان اداروں کا دباؤ قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ٹیکسوا کے علاوہ دوسرے شعبوں سے حکومت کو اگلے سال ۲۵ ارب روپے کی آمدن متوقع ہے' یہ پچھلے سال کے مقابلے م اس لئے کم ہوگی کہ اطلاعات کے مطابق ٹیلی فون اور ٹ کمیونیکیشن کے نظام کو سرکاری کنٹرول سے آز کر کے ایک خود مختار کارپوریشن کی صورت دی جا رہی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ۸۹۔۱۹۸۸ء کے دوران حکوم ۳۷ء۴۴ ارب روپے کے قرضے لینے کا ارادہ رکھتی ہے اس میں سے ۷ء۵۲ر ارب بنکوں سے اور ۲۹ء۹۲ر ار دوسرے ذرائع سے حاصل کئے جائیں گے۔ مرکزی حکوم خود مختار کارپوریشنوں سے کہے گی کہ وہ خود بھی ایک ارب وسائل پیدا کریں۔ اس طرح اندرونی ذرائع سے ۳۸ء۴۴ ارب روپے کے وسائل پیدا کرنے کے بعد ۱۱ء۵ر ارب رو کا خسارہ پورا ہوسکے گا اور ترقیاتی اخراجات کے لئے ۲۷ر ار روپے کی رقم فراہم کی جاسکے گی۔ اگلے بارہ ماہ میں حکوم بیرونِ ملک سے ۱۵ء۵ر ارب روپے کے قرضے حاصل کر کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس طرح کل ۴۲ء۵ر ارب روپے ترقیاتی منصوبے بنائے جاسکیں گے۔

ان اعداد و شمار کا احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد ماہرین رائے دیتے ہیں کہ غیر ترقیاتی اخراجات اس سے کہیں زیا ہوں گے' جتنے کہ بجٹ میں دکھائے جا رہے ہیں (دوسر مدوں کے علاوہ گزشتہ سالوں میں لاء اینڈ آرڈر کے ضمن م

ٹھنے والے اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہوا' جہاں سوال ںرف تنخواہوں کا نہیں ہوتا) اندازہ ہے کہ اس طرح حکومت واس ضمن میں مزید دس سے لے کر اٹھارہ ارب روپے تک ی ضرورت ہوگی۔ اس طرح بجٹ کا کل خسارہ ستر ارب روپے نک جا پہنچے گا۔ اس میں ۵ء۷۷ر ارب روپے کے بنکوں کے رضے' ۳۰ ارب روپے کے دوسرے قرضوں اور ۱۵ء۵ روپے کے غیر ملکی قرضوں کے باوجود ۲۰ر ارب کا خسارہ موجود ہے گا جو پورے بجٹ کا تقریباً دس فیصد ہوگا اور یہ بجائے خود یک ایسا واقعہ ہوگا جس کی پاکستان کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں تی۔ یہ خسارہ کہاں سے پورا ہوگا؟ ماہرین کہتے ہیں کہ نئے ٹ چھاپنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے گا اور افراطِ زر میں جو ن وقت ۱۵ فیصد کی شرح کو پہنچ گیا ہے' اگلے سال غیر معمولی ضافے کی پیشگوئی کی جا سکتی ہے۔ اس سے لامحالہ تیں بڑھیں گی اور عام آدمی کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

پہلے ہی بہت بڑھ چکی ہے' قابو سے باہر ہو جائے گی۔ اس پس منظر میں حکومت ایک ایسی جگہ آن کھڑی ہے' جہاں ایک کے سوا سارے راستے تنگ ہیں اور یہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کا راستہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس سلسلے میں ایک مغربی یونیورسٹی کے ماہرین کی مدد سے اس موضوع پر مفصل رپورٹ مرتب کرائی گئی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق شہری آبادی پر جو ٹیکس لگائے جا چکے ہیں' اگر اتنے ہی ٹیکس زراعت پر لگائے جائیں تو نہری علاقے میں بہتر قسم کی زمین کے ایک ایکڑ پر ۲۱۳۰ر روپے ٹیکس عائد کرنا ہوگا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر چھوٹے کاشتکاروں کو ٹیکس میں چھوٹ دینے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ساڑھے بارہ ایکڑ اراضی تک کو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے' تب بھی حکومت کو کروڑوں نہیں' اربوں روپے کی آمدنی ہوگی۔ ماہرین اس نکتے پر بھی زور دیتے ہیں کہ اگر صنعتوں کو فروغ دینا مقصود ہو تو ان پر ایک حد سے زیادہ ٹیکس نہیں لگائے

نئے نوٹ چھاپنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے گا

ب نہیں کہ ملک کی سیاسی زندگی پر اس کے گہرے اثرات تب ہوں۔ جونیجو حکومت نے اب تک اخبارات اور سیاسی ماعتوں کو آزادیاں دے کر ملک میں کشیدگی کم کرنے کی شش کی ہے لیکن اگر اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہولناک حد ے اضافہ ہوا تو کیا یہ کمزور حکومت اپنا دفاع کر سکے گی؟

زرعی ٹیکس کا مسئلہ

اس صورت حال میں گزشتہ کئی سال سے ماہرین اس ال پر غور کر رہے ہیں کہ کیا زرعی ٹیکس اس مسئلے کا علاج ں ہے۔ ایک ترقی پذیر معیشت میں نئے ٹیکس لگانا ایک روری ہے۔ اس وقت قومی زندگی میں کوئی ایسا شعبہ موجود ں' جہاں آسانی سے نئے ٹیکس لگائے جا سکیں۔ ملک کی نعت' درآمدی اشیاء اور شہری آبادی اب مزید ٹیکسوں کی ں نہیں۔ مختلف جائزوں اور مطالعوں سے یہ حقیقت منے آئی ہے کہ اگر کسٹم ڈیوٹی میں اضافہ کیا گیا تو سمگلنگ جو

جاتے۔ جاپان' جنوبی کوریا' تائیوان اور سنگاپور کی صنعتی ترقی میں اس عنصر کا بڑا دخل ہے۔ پاکستان کی ٹیکسٹائل انڈسٹری حد سے زیادہ ٹیکسوں کے نتیجے میں تباہی کی ایک مثال ہے۔ ماہرین کو یقین ہے کہ اس صورت حال میں بعض زرعی ٹیکس نافذ کرنا ہوں گے۔

حکومت کی مشکل یہ ہے کہ وہ ان جاگیرداروں کو ناخوش کرنا نہیں چاہتی جو اقتدار کے کھیل میں ہمیشہ مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کی قومی اسمبلی میں زرعی ٹیکس ہی ایک ایسا نکتہ ہے' جس پر حکومت اور اپوزیشن کے جاگیردار عناصر میں مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ ۸۶ - ۱۹۸۵ء کے بجٹ پر بحث کے مرحلے میں ڈاکٹر محبوب الحق نے جو اس وقت وزارت خزانہ کے منصب پر فائز تھے' زرعی ٹیکس کی حمایت کی تو انہیں بیگم عابدہ حسین سمیت اپوزیشن کے ارکان کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک

اپوزیشن پارٹی کے وائس چیئرمین نے' جو اب مسلم لیگ میں شامل ہو چکے ہیں' قومی اسمبلی کے ایوان میں کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا کہ اگر زرعی ٹیکس نافذ کیا گیا تو ملک میں غدر برپا ہو جائے گا۔ پنجاب اسمبلی چند ماہ قبل اس موضوع پر ایک قرارداد منظور کر چکی ہے' جس میں کہا گیا ہے کہ یہ صوبوں کا مسئلہ ہے اور مرکز کو زرعی ٹیکس کے نفاذ کا کوئی اختیار نہیں۔

اگرچہ اس پس منظر میں زرعی ٹیکس کا نفاذ بہت مشکل دکھائی دیتا ہے تاہم وزارت خزانہ کے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں کئی متبادل تجاویز زیر غور ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق زرعی آمدنی پر ٹیکس نافذ کرنے کے لئے جس جرأت اور عوامی تائید کی ضرورت ہے' اس سے تو یہ حکومت محروم ہے لیکن ایک قسم کا لینڈ ٹیکس نافذ کیا جاسکتا ہے جس سے ۵۰ کروڑ روپے کے لگ بھگ آمدن متوقع ہے۔

اقتصادی ماہرین کہتے ہیں کہ جونیجو حکومت' جسے اقتدار منتقل نہیں کیا گیا بلکہ اقتدار میں محض شریک کیا گیا ہے' معاشی معاملات میں اس سے کہیں زیادہ کمزور اور انحصار کرنے والی حکومت ہے جتنی کہ وہ سیاسی معاملات میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کی اقتصادی پالیسیوں پر آج بھی وہ لوگ اثر انداز ہو رہے ہیں جنہوں نے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک بہترین وسائل کو بدترین طریقے سے ضائع کیا۔ جن کے دور میں بارہ مارکٹوں کے نام سے پورے ملک میں ایک متوازی سیاہ معیشت (بلیک اکانومی) وجود میں آئی اور پاکستان پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے دباؤ میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ ان لوگوں کے ہوتے ہوئے جاگیردار ارکانِ اسمبلی پر انحصار کرنے والی مسلم لیگی حکومت آزاد اقتصادی پالیسیاں اختیار نہیں کر سکتی۔ حکومت اقتصادی معاملات میں بتدریج بے دست و پا ہوتی جا رہی ہے۔ وہ عالمی اداروں کے سامنے بے بس ہے' جاگیرداروں کے سامنے بے بس ہے' ایک حد تک افسر شاہی کے سامنے بے بس ہے اور کمزور ہونے کی وجہ سے نہ تو نئے ٹیکس عائد کر سکتی ہے اور نہ بنیادی تبدیلیاں لا سکتی ہے۔ اس صورت حال میں یہ معاملہ سیاسی اصلاحات کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور سیاسی میدان میں بنیادی تبدیلیوں یعنی فوج اور افسر شاہی سے عوام کو اقتدار منتقل کئے بغیر معیشت کو صحت مند راستے پر استوار کرنے کا خواب نہیں دیکھا جا سکتا۔ موجودہ تناظر میں جب غیر ترقیاتی اخراجات میں اضافہ ناگزیر دکھائی دیتا ہے اور بھارت اور روس ایسے ملکوں کی ہمسائیگی کے سبب آپ دفاعی بجٹ میں تخفیف کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں' نئے وسائل کی تلاش اور بنیادی تبدیلیوں کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

آج کی دنیا میں ایک ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے روپے' انرجی اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس وافر مقدار میں انرجی موجود ہے اور نہ وسائل لیکن ہمارے پاس ایک ایسا وسیلہ موجود ہے جو ان دونوں کی تلافی کر سکتا ہے۔ ایک ایسے ملک میں جس کی زمین زرخیز ہے اور جس میں دریا بہہ رہے ہیں' دس کروڑ آبادی کے ایسے انسانی وسائل موجود ہیں' جنہیں منظم کیا جائے تو اقتصادی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ لوگ محنتی ہیں اور سیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی ہنر مندی کی تعریف کی جاتی ہے لیکن ملک کے اندر اس وسیلے سے استفادہ کرنے کی کبھی بھی لمبی مدت کی منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔ ہمیں اپنی زراعت اور صنعتوں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ ماہرین کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ہم عہدِ جدید کی ٹیکنالوجی کو اپنی اقتصادی زندگی میں جذب نہیں کر سکتے۔

یہ کام کون کرے گا؟ فوجیوں' افسروں اور جاگیرداروں کی حکومت یہ کام نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ جو مفاہمت اور مصالحت کی پیداوار ہیں' معاشرے میں انقلاب انگیز تبدیلیوں کی بنیاد کیسے رکھ سکتے ہیں اس کے لئے سیاسی جماعتوں ہی کو آگے بڑھنا ہوگا۔ بدقسمتی سے سیاسی پارٹیوں نے اس میدان کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا ہے جو ان کی سب سے زیادہ توجہ کا محتاج تھا۔ ملک کے سامنے اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ سیاسی جماعتیں اقتصادی ماہرین کی مدد سے اپنے معاشی منشور مرتب کریں۔ وہ رائے عامہ کو ملک کے بنیادی معاشی حقائق کی تعلیم دیں اور بتائیں کہ اقتدار ملنے کی صورت میں وہ کونسی بنیادی

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

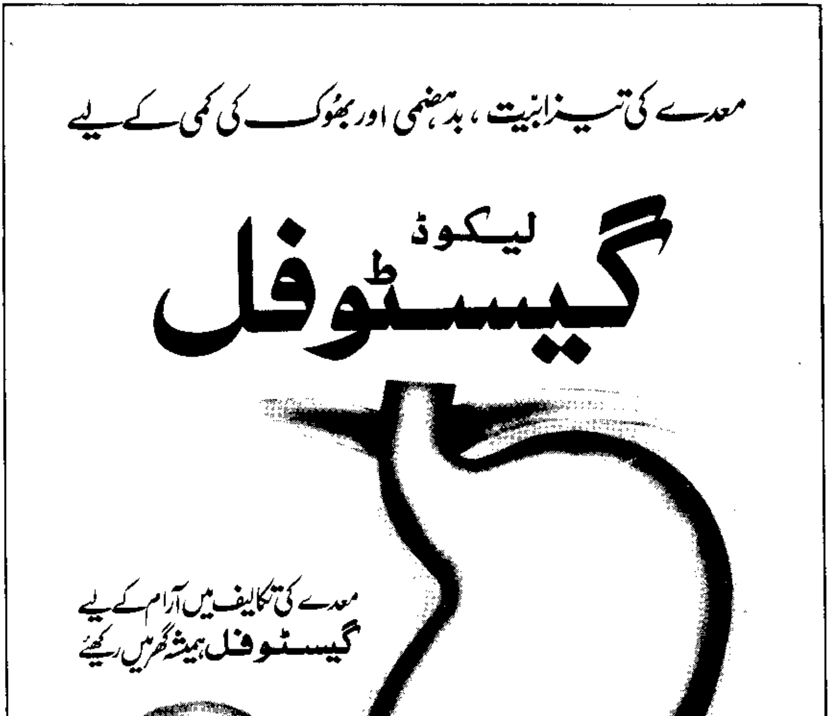

معدے کی تیزابیت ، بدہضمی اور بھوک کی کمی کے لیے
لیکوڈ
گیسٹوفل
معدے کی تکالیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے
LIQUID
Gesto fill
تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت

QD – 6

ایک رپورتاژ

قافلۂ سخت جاں

تنظیم اسلامی پاکستان کے تیرھویں سالانہ اجتماع کے تاثرات
بھاولنگر کے نواحی علاقے میں کاروانِ انقلابِ اسلامی کا پڑاؤ۔

قاضی عبدالقادر - کراچی

عشقِ بلاخیز کے اس قافلۂ سخت جاں کو ابھی نجانے کتنے جاں گسل مرحلوں سے گزرنا ہو گا۔ ہاں اپنے نفس سے مجاہدہ اور اپنے گھر، خاندان سے کشاکش تو شروع ہو ہی چکی ہے اور بہت سے خوش بخت اس کی بلاخیزی کے مقابلے میں چٹان بن کر دکھا بھی چکے ہیں لیکن اصل سخت جانی تو اس قافلے والوں کی یہ ہے کہ جماعت سازی کے دستوری اور جمہوری طرز کو چھوڑ کر، جو رسمِ دنیا ہے، انہوں نے بیعت کی سنّت کو زندہ کیا اور بیعت بھی ارشاد و سلوک کی نہیں، سمع و طاعت فی المعروف کی۔ پھر بیعت کرنے والے جاہل دیہاتی نہیں، ان میں فکر و نظر کی اعلیٰ صلاحیتیں اور مروّجہ تعلیم کی اونچی سے اونچی ڈگریاں رکھنے والے بھی موجود ہیں۔

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رُکی۔ بھاولپور کا اسٹیشن آ گیا تھا۔ ہم چھ رفقاء سلیپر کمپارٹمنٹ میں بھائی عبدالخالق کی امامت میں نمازِ فجر ادا کر رہے تھے۔ سامان ہم نے پہلے ہی باندھ لیا تھا۔ سلام پھیرتے ہی جلدی میں سامان لے کر پلیٹ فارم پر اترے۔ جہاں قیم تنظیم اسلامی میاں محمد نعیم مع چند رفقاء کے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہمارے استقبال کو موجود تھے۔ ہمارے علاوہ تیز گام کی دوسری بوگیوں میں مزید رفقاء تھے۔ محترم امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، امیر تنظیم اسلامی سندھ سید سراج الحق اور امیر تنظیم اسلامی حیدر آباد عبدالقادر صاحب بھی اسی گاڑی سے اترے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کراچی، میرپور خاص اور حیدر آباد کا دورہ کر کے حیدر آباد سے اسی گاڑی میں سوار ہوئے تھے جب کہ ہم لوگ کراچی سے آ رہے تھے۔ کراچی سے دوسرا اور بڑا قافلہ بھاؤالدین ذکریا ایکسپریس سے آ رہا تھا۔

یہ اپریل کی یکم تاریخ اور جمعہ کا مبارک دن تھا۔ بھاولپور سے کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر چشتیاں اور بھاولنگر کے درمیان موضع طارق آباد میں آج سے تنظیم اسلامی پاکستان کا سہ روزہ تیرہواں (۱۳) سالانہ اجتماع شروع ہو رہا تھا۔ ملک کے کونے کونے سے تنظیم اسلامی کے جیالوں کے قافلے سوئے طارق آباد رواں دواں تھے۔ اس سے قبل اکثر سالانہ اجتماعات ماڈل ٹاؤن لاہور میں واقع قرآن اکیڈمی کی عمارت میں منعقد ہوئے، جس کی تنگیٔ داماں کو وسیع کرنے کے لئے سو سو جتن کرنے پڑتے تھے، لیکن اس بار اسے شہری ہنگاموں سے دور صحرا کی کھلی فضاؤں میں منعقد کرنے کا نیا تجربہ کیا جا رہا تھا۔

تنظیم کے کارکنوں نے ملتان اور بھاولپور کے ریلوے اسٹیشنوں پر کیمپ قائم کر دیئے تھے جہاں سے رفقاء کو بذریعہ بس اور ویگن طارق آباد بھیجا جا رہا تھا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جن کے چہرے پر کئی روز کے مسلسل سفر کی وجہ سے نقاہت کے باوجود ایک شادابی سی کھیل رہی تھی، مع چند رفقاء کے طارق آباد روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم لوگوں

کے لئے بھی ویگن کا انتظام ہوا اور ہم میاں محمد نعیم کی پُر تکلف چائے پی کر، جس میں ان کی محبت اور خلوص کی مٹھاس بھی تھی، عازم طارق آباد ہوئے۔

طارق آباد کیا تھا، چند کچے مکانوں کا ایک گاؤں بلکہ محض ایک ڈیرہ۔ جہاں ملتان میں مقیم ہمارے محترم و بزرگ رفیق کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر غلام حیدر ترین کی زرعی اراضی تھی۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ ایک چھوٹے سے جگہ پر

> **ایک وضاحت**
>
> یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ "تنظیم اسلامی" نہ عام معنوں میں دینی یا سیاسی جماعت ہے نہ محدود مفہوم میں مذہبی تنظیم بلکہ یہ ایک ہمہ گیر دینی جماعت ہے لہٰذا اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے تو یہ غلطی ہی نہیں عظیم گمراہی ہوگی کہ یہ "الجماعت" کے حکم میں ہے جس کی شریعت اسلام میں واضح اہمیت ہے اور جس سے علیحدگی کفر کے مترادف ہے اور جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّار" یعنی جو اس سے علیحدہ ہوگا وہ علیحدہ ہی جہنم میں جھونک دیا جائے گا ـــــ تاہم اس کے نظم کو عام معاشرتی و ثقافتی انجمنوں یا طبقاتی و پیشہ ورانہ تنظیموں یا سیاسی وقتی جماعتوں کے قواعد و ضوابط کی پابندی پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہاں "سمع و طاعت" کا خالص اسلامی اور خالصۃً دینی اصول کارفرما ہے گا۔ یہ بات بار بار اور بتکرار اس لیے عرض کی جا رہی ہے کہ ہمارے یہاں بعض مخلص دینی جماعتیں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسی شدید غلطی بلکہ عظیم گمراہی میں مبتلا ہوجاتی ہیں کہ وہ "الجماعت" کے حکم میں ہیں۔ اس طرح وہ امت کی وحدت کو سخت نقصان پہنچانے اور انتشار، تحزب اور تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہیں
>
> ہم پورے شعور کے ساتھ اور صمیم قلب سے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنظیم اسلامی کو اس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

رہائش وغیرہ کیلئے کچھ تعمیرات کی ہوئی تھیں جہاں وہ اپنی کاشت کاری کی نگرانی کے لئے آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔

استقبالیہ پر کارکن بہت مصروف تھے۔ جگہ جگہ سے قافلے آرہے تھے اور ہر ایک کو اپنا اندراج کرا کے بیج حاصل کرنا تھا۔ جس پر ہر رفیق کے نام اور مقام کے علاوہ رہائش گاہ پر اس کے بستر کیلئے نمبر الاٹ کیا گیا تھا۔ یہ بیج ہر ایک کو اپنے سینے پر آویزاں کرنا تھا۔ جس سے بیک نظر معلوم ہو جاتا کہ رفیق کا نام کیا ہے، کہاں سے تعلق ہے اور رہائش گاہ میں کہاں ٹھکانا ہے۔ کچھ اسٹیکر بھی دیئے جارہے تھے جو ہر رفیق کو اپنے سامان کے ایک ایک نگ پر چپکانا تھا۔ اسٹیکر پر بھی رفیق کا نام مقام اور بستر کا نمبر درج تھا تاکہ سامان کی گمشدگی کی صورت میں متعلقہ رفیق کو پہنچایا جاسکے۔

بذریعہ ریل آنے والے رفقاء "مدرسہ" نامی اسٹیشن پر اترتے تھے جہاں سے اجتماع گاہ ریلوے لائن ہی کے کنارے کوئی دو کلومیٹر پر ہو گی۔ اجتماع کے پنڈال سے رہائش گاہ کا فاصلہ کوئی پانچ فرلانگ ہو گا۔ کھیتوں کے درمیان ایک چوڑی اور سیدھی پگڈنڈی انہیں ملاتی تھی۔ استقبالیہ کے ضروری اندراجات کے بعد رفقاء کو سامان کے ساتھ گاڑیوں میں رہائش گاہ پر پہنچایا جارہا تھا۔ بعض رفقاء اپنا سامان کاندھوں پر اٹھائے تبلیغی بھائیوں کی طرح رہائش گاہ کی جانب رواں دواں تھے۔ ہم نے سامان کے ساتھ یہ فاصلہ ایک ٹریکٹر پر طے کیا۔ کار، بس، ریل گاڑی، ہوائی جہاز اور بحری جہاز میں تو بہت بیٹھے ہیں لیکن ٹریکٹر پر بیٹھنے کا زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا۔

رہائش گاہ کیا تھی۔ دو طویل متوازی بیرکیں تھیں جنہیں ہمارے کرنل صاحب نے غالباً پولٹری فارم کے لئے حال ہی میں بنایا تھا کیونکہ سوائے چھت کے چاروں طرف جالیاں ہی جالیاں لگی تھیں۔ اور اس کے افتتاح کا شرف بجائے مرغیوں اور مرغوں کے ہمیں حاصل ہوا تھا۔ یہ مرتبہ بلند مُرغانِ نو گرفتار کے لئے تھا۔ انتظامات بہت عمدہ تھے۔ نیچے گھاس ڈال کر اوپر دریاں بچھادی گئی تھیں اور پورا فرش ایک لمبی "فوم" کا ہو گیا۔ ہر ستون پر بستر نمبر درج تھے۔ دونوں بلاکوں کو (اے) اور (بی) کا نام دیا گیا۔ ستونوں کی لائن کا ایک نمبر ہوتا یعنی ایک دو تین وغیرہ۔ اور پھر ہر لائن میں بستروں کے نمبر ہوتے تھے۔ مجھے ۴/۷۔ اے نمبر بستر الاٹ ہوا تھا۔ یعنی بلاک "اے" میں ستونوں کی لائن نمبر ایک کا بستر نمبر ۴/۷۔ اپنی جگہ کا قبضہ حاصل کر کے سب سے پہلے ہم نے اپنا بستر بچھا دیا اور سامان کو ٹھکانے سے رکھا۔ رہائش گاہ کے ساتھ ہی ٹیوب ویل تھا جس میں سے پختستانی کی جوئے آب جاری تھی۔ اور یہیں سے وضو وغیرہ کرتے تھے۔ قریب ہی کثیر تعداد میں عارضی بیت الخلاء بنائے گئے تھے۔ مرکز سے سرکلر کی صورت میں رفقاء کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھ بستر اور ضروری کپڑوں کے علاوہ، پلیٹ، چائے کی پیالی، گلاس اور لوٹا ضرور لائیں۔ لیکن یہاں بھی فاضل پلیٹوں اور لوٹوں وغیرہ کا

کچھ انتظام تھا جو "سرکاری" کہلائے جانے لگے۔

قافلے آ رہے تھے اور ناشتہ کر رہے تھے۔ طعام گاہ کے ناظم اور ان کے ساتھی مستعدی سے کام کر رہے تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ایک دوسرے سے نئی نویلی ملاقاتیں تھیں یا پھر تجدیدِ ملاقات۔ آپس میں تعارف ہو رہا تھا۔ بذریعہ سڑک 'ریل اور ہوائی جہاز (براہ ملتان و بہاولپور) سے آنے والے تمام رفقاء اور احباب کی مجموعی تعداد تقریباً سات سو تھی جو چار اپریل کی دوپہر یعنی اجتماع کے اختتام تک یہاں قیام پذیر رہے۔ لاہور کے تقریباً دو صد رفقاء اور احباب پانچ بسوں کے ذریعہ یہاں پہنچے۔ یہ بسیں چار روز تک یہیں کھڑی رہیں اور انہی سے وہ لوگ واپس گئے۔ ایک سو کے قریب حضرات کراچی سے آئے۔ اور باقی چار صد رفقاء واحباب ملک کے مختلف شہروں یعنی حیدر آباد 'سکھر' دادو 'کوئٹہ' رحیم یار خان' ملتان' وہاڑی' بورے والا' بہاولپور' شجاع آباد' فیصل آباد' گوجرانوالہ' وزیر آباد' گجرات' راولپنڈی' اسلام آباد' پشاور' سوات اور دیگر متفرق مقامات سے تشریف لائے تھے۔ بیرون ملک سے اٹھارہ ساتھی شریک ہوئے جن میں امریکہ' برطانیہ' سعودی عرب' ابوظہبی اور ہندوستان سے آنے والے شامل ہیں ان کے علاوہ بہاولنگر' چشتیاں اور نواحی مقامات سے روزانہ تقریباً ڈیڑھ دو سو حضرات خطاب عام میں شریک ہوتے رہے۔

سالانہ اجتماع کا آغاز نماز جمعہ سے ہونا تھا۔ اجتماع گاہ چار دیواری کے اندر ایک بڑے پنڈال میں واقع ہے۔ اجتماع گاہ کے باہر استقبالیہ کیمپ 'مکتبہ' قرآن کالج کا اسٹال فرسٹ ایڈ کا خیمہ لگائے گئے ہیں۔ ان میں متعین ہر کارکن اپنے کام میں مصروف اور مگن ہے۔ نماز جمعہ کے فوراً بعد محترم امیر تنظیم

"ایک بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ اپنا سب کچھ راہِ حق میں لا کر ڈال دے 'اپنی قوت وصلاحیت اپنی توانائیاں اپنا مال اور اپنی جان اس کام کے لئے وقف کر دے۔ اس میں کھپا دے تو جیسا کہ کہا گیا کہ "السعی منا و الاتمام من اللہ" کوشش کرنا ہمارے ذمہ ہے کسی کام کی تکمیل کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اس کام کا اتمام و تکمیل کو پہنچنا سراسر اللہ کے اِذن اور اس کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ اور اللہ کا اذن اور فیصلہ اس کی حکمت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے ایک اجل معین کر رکھی ہے ہم نہیں جانتے کہ اس نے اپنے دین کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے غلبہ واظہار کے دور ثانی کے لئے کون سا وقت مقرر فرمایا ہوا ہے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ دینِ حق کے بالفعل قائم اور نافذ ہونے تک ابھی اللہ تعالیٰ کتنے قافلوں کو اٹھائے 'جو کچھ دور تک چلیں' چند کٹھن منازل طے کریں اور پھر تھک ہار کر رہ جائیں۔ پھر کوئی دوسرا قافلہ ایک عزمِ نو کے ساتھ مرتب ہو اور آگے بڑھے اور اس جدوجہد کو کسی خاص حد تک لے جائے ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ البتہ ہم یہ جان گئے ہیں اور یہ جان لینا ہی ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مسؤل ہیں عزمِ مصمم کرنے پر اور ہم مسؤل ہیں سعی وجہد پر' ہم مسؤل ہیں اپنی سی کر گزرنے پر۔ اس راہ کے کسی ایک مرحلے کی تکمیل بھی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق اور اس کی حکمت پر منحصر ہے"۔

امیر تنظیم اسلامی 'ڈاکٹر اسرار احمد کے تاسیسی اجتماع۔ مارچ ۱۹۷۵..... میں افتتاحی خطاب سے

اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب عام تھا جس کا عنوان تھا " پاکستان میں اسلامی انقلاب ' کیا؟ کیوں؟ اور کیسے " ۔ یہ خطاب ڈھائی بجے شروع ہونا تھا لیکن ادھر ایسا ہوا کہ بہاولنگر کے کچھ احباب نے محترم ڈاکٹر صاحب سے وہاں کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کی درخواست کی جو موصوف نے خیالِ خاطرِ احباب سے منظور فرمالی۔ چنانچہ وہاں سے واپسی میں کچھ تاخیر ہو گئی اور یوں یہ خطاب کوئی سوا تین بجے شروع ہو سکا کچھ حضرات جو نواحی علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ انتظار کر کے چلے گئے محترم ڈاکٹر صاحب کو اس کا شدید احساس ہوا اور موصوف نے اس کی بہت معذرت کی۔

لاہور سے جو احباب پانچ بسوں میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنی بسوں کے استعمال کی یہ شکل نکالی کہ خطاب عام سے قبل دو بسیں چشتیاں اور تین بسیں بہاولنگر بھیج دی جاتی تھیں۔ جہاں بس اڈہ پر بینر لگا دیئے گئے تھے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب بمقام طارق آباد کیلئے فلاں وقت یہاں سے مفت بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ لوگ وہاں پہنچ جاتے اور تینوں دن اسطرح بسیں بھر بھر کر آتی رہیں۔ خطاب کے بعد یہی بسیں انہیں واپس بہاولنگر اور چشتیاں پہنچاتی رہیں۔ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب عام کے پوسٹر ملک کے دیگر شہروں کے علاوہ بہاولپور ڈویژن کے تمام شہروں اور قصبات میں اور ضلع ساہیوال اور ضلع ملتان میں کثرت سے چسپاں کئے گئے تھے۔ کوئی شہر' کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں ان سے خالی نہ تھا۔

جمعہ کی نماز سے قبل کھانا کھایا۔ دو بجے جمعہ کی نماز ہوئی جو چودھری رحمت اللہ بُٹر نے پڑھائی۔ سوا تین بجے محترم ڈاکٹر صاحب بہاولنگر سے تشریف لائے۔ اس دوران کیسٹ سے قرأت نشر ہوتی رہی۔ سوا تین بجے محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ترتیب کی رو سے مجھے آج اپنے سہ روزہ خطابِ عام کے پہلے حصہ یعنی اسلامی انقلاب کیا؟ پر تقریر کرنی تھی لیکن اس کی بجائے ترتیب بدل کر میں آج "اسلامی انقلاب کیسے؟" پر تقریر کروں گا۔ "اسلامی انقلاب کیا؟" پر کل اور "اسلامی انقلاب کیوں؟" پر پرسوں تقریر ہو گی۔ انشاءاللہ۔ "اسلامی انقلاب کیسے؟" کی وضاحت فرماتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:

اس کے لئے ایک مضبوط انقلابی جماعت کا ہونا ناگزیر ہے۔ ایک ایسی جماعت جو پورے طور پر نظم و ضبط کی عادی اور ایک امیر کے اشارے پر بڑے سے بڑا قدم اٹھانے کی خوگر ہو۔ ڈھیلی ڈھالی انجمنوں اور جماعتوں کے ذریعے یہ بھاری پتھر نہیں اٹھایا جا سکتا۔ سورۃ الفتح کے آخری رکوع کے حوالے سے اس انقلابی جماعت کے نمایاں اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے امیر محترم نے واضح کیا کہ یہ جماعت جو۔ "ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم۔ رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن" کی سی شان کی حامل ہو' ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جو انفرادی تزکیے کے مراحل سے گزر چکے ہوں اور اس دین اسلام کو پہلے اپنے وجود پر پوری طرح نافذ کر چکے ہوں' جسے پوری دنیا میں

سیرتِ مطہرہ سے اخذ کردہ
مراحلِ انقلابِ اسلامی :
دعوت، تنظیم، تربیت
صبرِ محض، اقدام اور تصادم

غالب کرنے کے ارادے سے انہوں نے انقلابی جماعت میں شمولیت اختیار کی ہے۔ اس کے بغیر غلبہ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ انقلابی جدوجہد کے مراحل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ سیرت مطہرہ کے مطالعہ سے اسلامی انقلابی جدوجہد کے چھ مراحل سامنے آتے ہیں۔ پہلا مرحلہ انقلابی نظریئے یعنی توحید کی دعوت و اشاعت کا ہے۔ دوسرا مرحلہ تنظیم کا ہے یعنی اس نظریئے کو قبول کرنے والوں کو ایک جماعتی نظم میں منسلک کرنا' تیسرے مرحلے کا عنوان ہے تربیت' یعنی جماعت کے شرکاء کی تربیت اور ان کا تزکیہ کرنا اور انہیں آئندہ کے مشکل مراحل کے لئے تیار کرنا' چوتھے

مرحلے کو "صبر محض" کا نام دیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ابتدا میں یہ انقلابی جدوجہد عدم تشدد کے اصول پر ہو گی۔ پوری مکّی زندگی میں مسلمانوں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ انقلابی جماعت کی زندگی میں یہ مرحلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ اس وقت تک چلے گا جب تک اتنی قوت اور طاقت فراہم نہیں ہو جاتی کہ آگے بڑھ کر اقدام کا خطرہ مول لیا جاسکے۔ جب جماعت اتنی مضبوط ہو جائے اور اس کا حجم اتنا ہو جائے کہ باطل نظام سے ٹکر لی جاسکتی ہو تو پھر یہ انقلابی جدوجہد "اقدام" کے مرحلے میں داخل ہو جائے گی۔ اس وقت نظام باطل کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑ کر سانپ کو بِل سے نکالا جائے گا جس کے نتیجے میں آخری اور چھٹا مرحلہ یعنی مسلح تصادم کا آغاز ہو جائے گا۔ حضورؐ کی زندگی میں اس مرحلے کا آغاز غزوۂ بدر کی صورت میں ہوا اور اس کے بعد چھ سال کے اندر اندر مکہ فتح ہو گیا' دین اسلام کو خطۂ عرب میں فیصلہ کن فتح حاصل ہو گئی۔ امیر محترم نے اس دور میں اسلامی انقلاب کے طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ موجودہ حالات میں جو بھی انقلابی جدوجہد کے لئے میدان میں آئے گا اسے مذکورہ بالا پانچ مراحل سے لامحالہ گزرنا ہو گا۔ اسلامی انقلاب کا واحد راستہ یہی ہے۔ البتہ چھٹے مرحلے یعنی مسلح تصادم کے معاملے میں جدید زمانے کے حالات کے پیش نظر کچھ فرق واقع ہو جائے گا۔ خصوصاً اسلامی معاشرے میں غلبہ اسلام کی جدوجہد میں ممکنہ حد تک مسلح تصادم کے مرحلے سے گریز کیا جائے گا۔ ان حالات میں قرآن وحدیث ہی کی ہدایات کے مطابق "نہی عن المنکر" کی بنیاد پر اقدام کیا جائے گا اور عدم تشدد پر کاربند رہتے ہوئے اور ہر ظلم وتعدی کو برداشت کرتے ہوئے یہ مرحلہ طے کیا جائے گا۔ ایران کی مثال کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جس طرح وہاں نہتے عوام نے اپنی قربانیوں کے ذریعے ایک جابر کا تختہ الٹ دیا تھا' اسی طرح کسی بھی انقلابی جماعت کو اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی قربانیوں کے ذریعے اسلامی انقلاب لانا ہو گا۔ یہی راستہ ہے جو قرآن وحدیث کے مطالعے سے سمجھ میں آتا ہے۔

عصر کی نماز کے وقفے کے کچھ بعد محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر ختم ہوئی۔ اعلان کیا گیا کہ مغرب سے قبل احباب رات کا کھانا تناول فرمالیں تاکہ بعد نماز مغرب رفقاء کا خصوصی سیشن شروع کیا جاسکے۔ اب آپ ہی سوچئے کہ ہم کراچی والے جو رات کا کھانا نو بجے سے قبل کھانے کے عادی نہیں' شام ساڑھے پانچ بجے کیا کھائیں اور کیسے کھالیں جب کہ ابھی دو بجے دوپہر کا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے۔ امیر محترم کی تقریر ہاضمہ کا چورن تو نہ تھی کہ تین گھنٹے میں کھانا ہضم ہو جاتا۔ بہرحال اس اندیشہ سے کہ رات کو اجتماع کے بعد پھر کچھ کھانے کو ملنے کا امکان نہ تھا' اسی وقت جو کچھ کھایا جاسکتا تھا نوش جاں کیا۔ اور اس وقت زہر مار کر کے کچھ کھالینا بہتر ہی ہوا ورنہ رات بھر پیٹ میں چوہے دھما چوکڑی مچاتے اور آنتیں قل ہو اللہ پڑھتیں۔

بستیوں اور بازاروں سے دور اس جگہ اجتماع رکھنے کے بڑے فائدے ہوئے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے طعام وغیرہ کے جو عام معمولات تھے وہ دگرگوں ہوئے اور شاید یہ بھی تربیت کا حصہ تھا۔ دور دور تک کوئی بستی نہ تھی جہاں کوئی شخص کوئی کھانے کی چیز خرید سکتا یا چائے ہی پی سکتا۔ قریب ترین جگہ دو کلو میٹر دور "مدرسہ" کا اسٹیشن تھا جہاں چائے نما کوئی چیز مل سکتی تھی۔ چنانچہ کراچی سے چائے کے چاہنے والے دو ایک احباب نے آنکھ بچا کر ایک آدھ بار وہاں جا کر چائے سے "تسکین قلب" حاصل بھی کی۔ لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ وہاں سے ایک کپ چائے پی کر جو واپس آئے تو تھکن سے مزید دو کپ کی طلب عود کر آئی۔ یوں پھر کسی کو وہاں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب "حکیم حاکم مرگ مفاجات" والی کیفیت تھی۔ لاہور یا کراچی میں اجتماع ہوتا تو اس شہر کے لوگوں کی ایک خاصی تعداد جزوی شریک ہوتی یعنی وقفوں میں اپنے گھر' دفتر یا کاروبار کے بھی کچھ چکر لگا لئے جاتے لیکن اب تو کچے دھاگے سے بندھے آئے تھے سرکار مرے' اب جائیں تو کہاں جائیں۔

مغرب کے بعد خصوصی سیشن شروع ہوا۔ یہ تعارفی نشست تھی۔ مختلف شہروں کے امراء نے اپنے ہاں سے آنے

والے رفقاء واحباب کی تعداد بتائی اور مختصر تعارف کرایا۔ یہ نشست رات گئے تک جاری رہی۔

۲ اپریل ہفتہ کے دن نمازِ فجر رہائش گاہ ہی پر ادا کی گئی۔ بلاک اے اور بی کے درمیان جو جگہ تھی وہ نماز کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ شرکاء کی تعداد منتظمین کے اندازوں سے بہت زیادہ ہو گئی تھی چنانچہ وہ احباب جنہیں رہائش کے لئے مخصوص اے اور بی بلاک میں جگہ نہ مل سکی انہوں نے "اللہ کے گھر" میں ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

نمازِ فجر سے قبل امیر تنظیم اسلامی کراچی جناب ڈاکٹر تقی الدین نے مختصر درس دیا۔ فجر کی نماز کے بعد حسب پروگرام اسی جگہ پر ڈاکٹر عبدالسمیع نے منتخب نصاب حصہ دوم کا درس دیا۔ ناموں کے ساتھ "ڈاکٹر" کا اضافہ قارئین کو پریشان نہ کرے۔ امیر محترم ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ بعد میں اپنے ذوق کی تسکین کے لئے امتیاز سے ایم۔اے (اسلامیات) کیا۔ کچھ عرصہ ایلوپیتھی دواؤں سے لوگوں کا علاج کرتے تھے 'اب لگ بھگ بیس سال ہونے کو آئے کہ شغل ترک کر کے دعوت رجوع الیٰ القرآن کے کام میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ قرآن مجید سے سینوں کے روگ دو

" مجھے احساس ہے کہ تنظیم اسلامی کے قیام کا عزم کر کے ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ میں نے اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھایا ہے "من آنم کہ من دانم" حقیقت یہ ہے کہ اگر محاسبہ اُخروی کا شدید احساس نہ ہوتا تو میں یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔ ادائیگیٔ فرض کے احساس ہی نے دراصل مجھے یہ ذمہ داری اٹھانے پر آمادہ کیا ہے۔ میں اس بات کو متعدد بار واضح کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے مطالعے 'علم اور میری عقل و فہم کی حد تک یہ طریق بالکل مصنوعی اور تصنع آمیز ہے کہ میں آپ سے یہ کہوں کہ وہ لوگ جو میری دعوت کو قبول کر کے اس کام کو منظم طریقہ پر آگے بڑھانے کے آرزومند ہوں وہ ایک ہیت اجتماعیہ تشکیل دیں اور اس اجتماعیت کے لئے اپنا سربراہ منتخب کر لیں اور پھر دستور میں کوئی مدت مثلاً "تین سال یا پانچ سال" مقرر ہو جس کے بعد جماعت کی اکثریت کی آراء سے سربراہ کا انتخاب عمل میں لایا جایا کرے میرے نزدیک صحیح دینی و اسلامی تنظیم کی نہج اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایسی تنظیم جس شخص کی دعوت پر ہیت اجتماعیہ اختیار کرتی ہے وہی شخص اس تنظیم کا فطری سربراہ ہوتا ہے۔ میرے اس خیال کی بنیاد سورہ صف کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "من انصاری الی اللہ" یہ بھی ہماری تنظیم کو دوسری دینی اسلامی جماعتوں کے مقابلے میں ایک بنیادی خصوصیت کا حامل بنا دے گا"۔

" میں آپ سے اس کام میں تعاون 'نصرت کا اور امداد و اعانت کا طلب گار ہوں اور ساتھ ہی باصرار آپ سے عرض کرتا ہوں کہ جو میرا ساتھ دے وہ اس بات کو بھی اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر دے کہ جہاں مجھے غلط ہوتا دیکھے ' مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے مجھے روکے ' مجھے ٹوکے ' مجھ سے لڑے ' مجھ سے جھگڑے ' میرا محاسبہ کرے اور کوئی رورعایت نہ کرے۔ یہ آپ کا حق ہی نہیں بلکہ آپ کا فرض ہو گا"۔

امیر تنظیم اسلامی ' ڈاکٹر اسرار احمد کے تاسیسی اجتماع ..... مارچ ۱۹۷۵ء میں افتتاحی خطاب سے۔

کرتے اور تنظیم اسلامی کے اس قافلے کے میرِ کارواں ہیں۔ ڈاکٹر تقی الدین نے جرمنی سے کیمیا میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا اور پھر پاکستان آکر درسِ نظامی کی تکمیل کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع بی۔ ڈی۔ ایس ہیں دانت جماتے اور اکھاڑتے ہیں۔

درس کے بعد ناشتہ کیا گیا اور اس کے بعد رفقاء کرام رہائش گاہ سے اجتماع گاہ روانہ ہو گئے۔ وہی پانچ فرلانگ کا فاصلہ۔ ٹولیوں میں پیدل رفقاء کی روانگی دیدنی تھی۔ آپس میں باتیں کرتے ہوئے' دل کی باتیں 'تنظیم کی باتیں' بھائیوں کی باتیں' آئندہ کام کی باتیں پانچ فرلانگ گویا پلک جھپکتے گزر جاتے اور اجتماع گاہ آجاتی۔ نماز ظہر تک رفقاء کی خصوصی نشست رہی۔ مختلف مقامات کے کام کی رپورٹیں سنائی جاتی رہیں۔ سندھ خصوصاً دادو سے آنے والے پرانے سندھی بھائیوں کا خصوصی تعارف کرایا گیا۔ پچھلے دنوں محترم ڈاکٹر صاحب سندھ کے اندرونی اضلاع کے دورہ پر تشریف لے گئے تھے جن میں دادو اور میہڑ جیسے مقامات بھی شامل تھے۔ جئے سندھ تحریک کے یہ مرکزی علاقے ہیں۔ ڈاکوؤں کی کمین گاہیں بھی انہی علاقوں میں ہیں۔ تحریک کے لحاظ سے یہ علاقے بنجر سمجھے جاتے تھے جہاں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

لیکن ڈاکٹر صاحب کو یہاں کے دورہ کے درمیان خوشگوار حیرت انگیز تجربات ہوئے۔ یہاں نہ صرف موصوف کے دروس و تقاریر میں لوگوں نے اچھی خاصی بڑی تعداد میں شرکت کی بلکہ کچھ بھائی ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے دینِ حق کے غلبہ کی جدوجہد کے لئے کمرِ ہمت کس لی۔ گویا۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اور یہ نمی انتخابی عمل اور نعرہ بازی کی سیاست سے نہیں بلکہ پِتّہ ماری کے کام اور قرآنی انقلابی عمل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

قدیم سندھ کے یہ سپوت اپنا تعارف کیا کرا رہے تھے اپنی کھٹ مٹھی اردو سے رس گھول رہے تھے مٹھی بھر اسلام کے یہ سپاہی جنہوں نے اپنا مال و متاع اپنے اوقات اور اپنی صلاحیتیں یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسلام کی سربلندی کیلئے قربان کرنے کا عہد کیا ہے' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان ہی کے ذریعہ سندھ کے قدیم دیہی علاقوں میں دین کیلئے ایک نئی لہر دوڑا دے۔ اور سندھ پھر سے ایک نیا باب الاسلام بن جائے۔ ہمارے یہ پرانے سندھی بھائی اپنا تعارف کرا رہے تھے اپنے عزائم کا اظہار کر رہے تھے اور ہماری نم آنکھوں اور لرزاں لبوں سے یہ دعا نکل رہی تھی۔

اس وقت پورے اجتماع پر ایک گمبھیر خاموشی طاری تھی۔ تمام رفقاء کے چہرے تمتما رہے تھے۔ اور اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ ان کے دلوں میں جذبات کا طوفان اٹھ رہا ہے۔ اور ان کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں۔ جن کو وہ ضبط کئے بیٹھے ہیں۔ تعارف کی تکمیل کے بعد داعیٔ عمومی نے عہد نامہ رفاقت تنظیم اسلامی کی ایک ایک شق کو پڑھنا شروع کیا اور تمام رفقاء اس کو دہراتے رہے۔ اس موقع پر اکثر رفقاء کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں اکثر کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ اللہ کے بندے رضائے الٰہی کے لئے دعوت تجدید ایمان توبہ اور تجدیدِ عہد کے قافلہ کے رفیق بن رہے تھے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(تاسیسی اجتماع کے آخری اجلاس کی کیفیات کی ایک جھلک)

ضمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرّہ ذرّہ کو شہیدِ جستجو کر دے

اس سیشن کے بعد نمازِ ظہر اور پھر قیام گاہوں کی طرف چپ راست، چپ راست۔ جاتے ہی دستر خوانوں پر لگا کھانا تیار ملتا تھا۔ طعام گاہ کے ناظم لاہور سے ہمارے نہایت فعال رفیق میجر (ریٹائرڈ) فتح محمد تھے جو نہایت درویش صفت انسان ہیں، اندر سے بھی اور باہر بھی۔۔۔۔ یقین نہیں آتا کہ چند ماہ پہلے تک وہ میجری کی وردی پہنتے تھے۔ انہوں نے انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ صبح سے رات تک وہ اس کام میں لگے رہتے۔ ذرا بھی تھکن کے آثار نہیں۔ آرام کرتے بھی ہیں یا نہیں یا کہاں کرتے ہیں کسی کو معلوم نہیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

کھانے کا انتظام دو شفٹوں میں کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اگر "اے" بلاک کے لوگوں کو کھانا پہلے ملتا تو دوسری بار "بی" بلاک والوں کو پہلی بار۔ کسی کی حق تلفی نہیں۔ کسی کو شکایت کا موقع نہیں۔

کھانے کے بعد اعلان ہوا کہ جو لوگ گنّے کھانا یا چوسنا چاہتے ہیں وہ رہائشی بلاکوں کے پیچھے چلے جائیں۔ دیکھا کہ کرنل صاحب نے ایک بڑی ٹرالی میں گنّوں کا انتظام کیا تھا۔ اب رفقاء ہیں اور ہاتھوں میں گنے کے ہتھیار۔ چالیس پچاس قدم دور نہر بہتی ہے۔ بہت سے رفقاء گنے لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ساتھیوں کی رفاقت، نہر کا کنارہ، گنے اور گپ شپ۔ ایک عجیب دل نواز منظر تھا۔

ظہر تا عصر کھانے اور آرام کا وقفہ تھا۔ عصر کے بعد امیر محترم۔ کا "اسلامی انقلاب کیا؟" کے موضوع پر عام خطاب تھا۔ حسب معمول چشتیاں اور بہاولنگر سے بسیں بھر بھر کر آئیں۔ عصر کی نماز اجتماع گاہ میں ادا کی گئی۔ امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

اگرچہ "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح دور جدید کی اصطلاح ہے اور قرآن و حدیث میں ان معنوں میں اس لفظ کا استعمال ہمیں نظر نہیں آتا، جن میں یہ آجکل مستعمل ہے تاہم چونکہ اسی مفہوم کی حامل کچھ دیگر اصطلاحات قرآن و حدیث میں مل جاتی ہیں لہٰذا ان دنوں ابلاغ عامہ۔ کے پیش نظر اگر اسلامی انقلاب کی اصطلاح کو اختیار کر لیا جائے تو اس میں کوئی بڑی قباحت نہیں ہے۔ لیکن کوشش یہی ہونی چاہئے کہ لوگوں کو انہی اصلاحات سے مانوس کیا جائے جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً قرآنی اصطلاح "تکبیر رب" اسی مفہوم کو ادا کرتی ہے جو "اسلامی انقلاب" سے سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تکبیر کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ زبان سے اللہ کی کبریائی کا اعلان کیا جائے بلکہ اصل تکبیر تو یہ ہوگی کہ وہ نظام قائم کیا جائے جس میں اللہ کی کبریائی کو فی الواقع تسلیم کیا جاتا ہو۔ اسی کا نام اسلامی انقلاب ہے۔ اسی طرح قرآن کی ایک اصطلاح ہے "اقامت دین" جو سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۴ سے ماخوذ ہے۔ ہمارا دین تو ایک مکمل نظام ہے یہ صرف مسجد کا مذہب نہیں، چنانچہ پورے نظام دین کو بالفعل قائم کرنے کا نام "اقامت دین" ہے اور یہی کچھ مفہوم "اسلامی انقلاب" کا بھی ہے۔ اسی مفہوم کی ایک اصطلاح "اظہار دین" بھی ہے، جو سورۃ صف میں وارد ہوئی اور اس کا مفہوم بھی دین کو پورے نظام پر غالب کر دینا ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں "اعلاء کلمۃ اللہ" کی ایک اصطلاح ملتی ہے وہ بھی یہی مفہوم ادا کرتی ہے، یعنی اللہ کے کلمے کو سربلند کر دینا۔ بالفاظ دیگر وہ نظام قائم کر دینا جس میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا جاتا ہو اور اسی کی شریعت نافذ العمل ہو۔ ان تمام اصطلاحات کا مدلول ایک ہی ہے اور جب ہم "اسلامی انقلاب" کی اصطلاح

اسلامی انقلاب قرآنی اصطلاح نہیں
دورِ جدید کے مترادفات میں سے ہے

استعمال کرتے ہیں تو ہمارا مفہوم وہی ہوتا ہے جو قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا اصطلاحات سے سامنے آتا ہے۔ "اسلامی انقلاب کیا؟" کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امیر محترم نے کہا

کہ اسلامی انقلاب سے مراد اس نظام عدل وقسط کا قیام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نوع انسانی کو عطا ہوا اور جس کا عملی مظاہرہ دور خلافت راشدہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔ یعنی وہ نظام جس میں انسانی حریت اور انسانی مساوات کو اعلیٰ ترین شکل میں جمع کر دیا گیا تھا۔ انسانی حریت کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑھیا بھی سرراہ خلیفہ وقت کو ٹوک دیتی اور خلیفہ کے ایک آرڈیننس پر سخت تنقید کر سکتی تھی۔ خلیفہ نے نہ صرف اس کی شکایت کو پورے سکون سے سنا بلکہ اپنی غلطی بھی تسلیم کی اور مساوات اس درجے کی کہ اگر کسی نے خلیفہ وقت کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو نہ صرف یہ کہ خلیفہ بھی عام انسانوں کی طرح عدالت میں حاضر ہوا بلکہ عدالت میں اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ محض نماز کمیٹیاں اور زکوٰۃ فنڈ قائم کر دینے کا نام اسلامی انقلاب نہیں ہے۔ اگر کسی نظام میں سماجی سطح پر مساوات نہیں ہے، معاشی سطح پر روزگار کے یکساں مواقع نہیں ہیں اور سیاسی حقوق کے معاملے میں عدل وانصاف نہیں تو وہ ہرگز اسلامی انقلاب کا نتیجہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

نماز مغرب کا وقفہ ہوا اور اس کے بعد بھی خطاب جاری رہا عشاء تک یہ سلسلہ رہا۔ عشاء کی نماز کے بعد خصوصی سیشن ہونا تھا لیکن ادھر امیر محترم تھک کر چور ہو گئے تھے اور ادھر اپنا حال بھی مختلف نہ تھا۔ چنانچہ امیر محترم نے اعلان فرمایا کہ کل صبح نماز فجر قیام گاہ کی بجائے اجتماع گاہ میں ادا کی جائے اور اس کے فوراً بعد رفقاء کا خصوصی سیشن شروع ہو جائے گا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ رفقاء کرام کے ان خصوصی اجلاسوں میں ان احباب کی شرکت پر کوئی پابندی نہیں تھی جو ابھی تک باقاعدہ رفیق نہیں بنے۔ عشاء کے بعد اجتماع گاہ سے قیام گاہوں کو واپسی، کھانا اور سونے کی تیاری۔ سونا عموماً دیر ہی سے ہوتا تھا کیونکہ بہت سے رفقاء آپس میں دیر تک گفتگو کرتے رہتے۔ ظاہر ہے کہ

عَقْدُ الرِّفَاقَةِ لِلتَّنْظِيمِ الْاِسْلَامِی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☐ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

☐ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ
وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

✪ اِنِّیْ اُعَاهِدُ اللّٰهَ

- عَلٰى اَنْ اَهْجُرَ كُلَّ مَا يَكْرَهُهٗ
- وَاُجَاهِدَ فِیْ سَبِيْلِهٖ جُهْدَ اِسْتِطَاعَتِیْ
- وَاُنْفِقَ مَالِیْ وَاَبْذُلَ نَفْسِیْ

لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ وَاِعْلَاءِ كَلِمَتِهٖ

✪ وَلِاَجْلِ ذٰلِكَ
اُبَايِعُ الدُّكْتُوْرَ اِسْرَارَ اَحْمَدَ اَمِيْرَ التَّنْظِيْمِ الْاِسْلَامِی

- عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْمَعْرُوْفِ
  - فِی الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ
  - وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ
  - وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَیَّ
- وَعَلٰى اَنْ لَّا اُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ
- وَعَلٰى اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنْتُ
  - لَا اَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

☐ مُسْتَعِيْنًا اللّٰهَ رَبِّیْ وَاَسْتَقْدِرُهٗ عَلَى الْاِسْتِقَامَةِ
عَلَى الدِّيْنِ وَاِيْفَاءِ هٰذَا الْعَهْدِ

التاریخ ____________

التوقیع ____________

عہدنامہ رفاقت تنظیم اسلامی

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

☐ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

☐ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے (آج تک کے) تمام گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔
اور (آئندہ کے لیے) خلوص دل کے ساتھ اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔

✪ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ :

- اُن تمام چیزوں کو ترک کر دوں گا جو اُسے ناپسند ہیں۔
- اور اُس کی راہ میں مقدور بھر جہاد کروں گا
- اور اُس کے دین کی اقامت اور اُس کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اپنا مال بھی صرف کروں گا اور جان بھی کھپاؤں گا۔

✪ اور اسی مقصد کی خاطر
میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے بیعت کرتا ہوں کہ :

- اُن کا ہر حکم سنوں گا اور مانوں گا جو شریعت کے دائرے سے باہر نہ ہو۔
  - خواہ تنگی ہو خواہ آسانی
  - خواہ میری طبیعت آمادہ ہو خواہ مجھے اس پر جبر کرنا پڑے، اور
  - خواہ دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جائے!
- اور یہ کہ نظم کے ذمہ دار لوگوں سے ہرگز نہیں جھگڑوں گا۔
- اور یہ کہ ہر حال میں حق بات ضرور کہوں گا
  - اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کروں گا۔

☐ میں اللہ ہی سے مدد اور توفیق کا طالب ہوں کہ وہ مجھے دین پر استقامت اور اس عہد کے پورا کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

نام ____________

پتہ ____________

اس طرح کے مواقع پھر کہاں نصیب ہوتے ہیں۔

راتیں بڑی فراخدلی سے چاندنی بکھیر رہی تھیں۔ پورے چاند کی راتیں تھیں چاروں طرف خاموش کھیت تھے' ایک طرف نہر میں آہستہ آہستہ پانی بہہ رہا تھا۔ عجیب منظر تھا' ہم شہر میں رہنے والوں کو ایسے منظر کہاں نصیب ہوتے ہیں

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت مراقبہ میں ہے گویا
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں سب کے سو گئی ہے
تاروں کا خاموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے درا رواں ہے

رات کے پچھلے پہر جب انسان یہ منظر دیکھتا ہو تو کیوں نہ اس کے دل میں یہ خیالات پیدا ہوں۔

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا میرا وضو ہو' نالہ میری دعا ہو

اور پھر ان گنہگار آنکھوں نے کتنے ہی رفقاء کو ایسے مبارک وقت میں اپنے ربّ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور مناجات کرتے دیکھا۔ گویا وہ سوئے گردوں نالۂ شب گیر کے سفیر بھیج رہے تھے۔ اقبال نے کہا ہے کہ۔

واقف ہو اگر لذّتِ بیداریٔ شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پراسرار

اور

غال غال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

فجر کی نماز سے قبل رفقا قیام گاہ کے پنڈال کی جانب رواں دواں تھے امیر تنظیم اسلامی بھی جو قیام گاہ میں رفقا کے ساتھ ہی زمین پر بستر لگائے ہوئے تھے' اجتماع گاہ تک کا پانچ فرلانگ کا فاصلہ پیدل ہی طے کر رہے تھے۔ نماز فجر کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے منتخب نصاب حصہ دوم کا درس دیا اور اس کے بعد اجلاس کی کارروائی شروع ہو گئی۔ نو بجے تک مختلف مقامات کی رپورٹیں اور کام کا جائزہ لیا جاتا رہا۔ بیرونی ممالک سے جو حضرات تشریف لائے تھے' ان کا خصوصی تعارف ہوا اور انہوں نے بیرون ملک اپنے ہاں کی رفتار کار سے آگاہ کیا۔ نو بجے ایک گھنٹے کا وقفہ ہوا جس میں ناشتہ کیا گیا۔ اجلاس دوبارہ شروع ہوا ظہر تا عصر کھانا اور آرام کا وقفہ ہوا۔ آج کھانے کے بعد گنے کی بجائے نمکین لسی سے تواضع کی گئی۔ بعد عصر حسب معمول امیر محترم کا تیسرا خطاب عام "اسلامی انقلاب کیوں؟" کے موضوع پر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:

غلبۂ اسلام کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض اور واجب کے درجے میں ہے۔ سورۃ شوریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے تمام مسلمانوں کو دین کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اللہ کا دین اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ یہ دین مغلوب رہنے کے لئے نہیں آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں خطۂ عرب کی حد تک دین اسلام قائم و نافذ ہو گیا تھا۔ آپؐ کے بعد صحابہؓ پوری دنیا میں اسلام کے غلبے کے مشن کو لے کر نکلے اور اس کرۂ ارضی کے ایک قابل ذکر حصے پر اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد کی تاریخ بہت تلخ ہے اور اس کی تفصیل بیان کرنا یہاں مقصود بھی نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر دین قائم و غالب ہے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی محافظت کریں اور اسے قائم رکھنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔ لیکن اگر کسی خطے میں اللہ کا دین سربلند نہیں ہے تو اس میں بسنے والے مسلمانوں کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ غلبہ اسلام کے لئے اجتماعی جدوجہد کریں اور اس وقت تک جدوجہد ترک نہ کریں جب تک اللہ ہی کا کلمہ سربلند نہیں ہو جاتا۔ اہل پاکستان کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے امیر محترم نے کہا کہ مسلمانان پاکستان کے لئے تو اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کرنا یوں بھی ضروری ہے کہ یہ ان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اور اس کی "ترکیب" ہی کچھ ایسی

ہے کہ اس کے استحکام کے لئے سوائے اسلام کے اور کوئی اساس یا بنیاد موجود نہیں ہے۔ لہٰذا پاکستان کی بقا کا تو دارومدار ہی اسلامی انقلاب پر ہے۔ ہم اہل پاکستان کا معاملہ تو یہ ہے کہ

اسلامی انقلاب کی ضرورت اور پاکستان کی بقاو سلامتی ہم معنی ہیں

کے دیئے ہوئے بظاہر مختلف بیانات میں بھی بڑی خوبی سے تطبیق پیدا کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان سب کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے۔ یہ کہ پاکستان اسلام کے باعث وجود میں آیا' اسلام کے لئے ہی مانگا گیا تھا اور اب اسلام ہی اس کے استحکام کا واحد ذریعہ ہے۔ البتہ اسلام کے نام پر اب تک ملک میں جو کچھ ہوتا آیا ہے وہ مثبت کی بجائے منفی نتائج پیدا کرنے کا باعث بنا اور اب بھی کسی کا ارادہ حقیقی اسلام کے نفاذ یعنی پاکستان کو بچا

حدیثِ رسولؐ

وَعَنْ

عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ

قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ

وَعَلَى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا

وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ، اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ

مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ،

وَعَلَى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ

لَوْمَةَ لَائِمٍ (بخاری و مسلم)

ـ "کافر نتوانی شد' ناچار مسلماں شو!" (اس موضوع پر وہ چونکہ اپنے خیالات مفصل انداز میں "استحکام پاکستان" نامی کتاب میں قلمبند کر چکے ہیں لہٰذا یہاں محض اشارات ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے) تاہم اس درد کا ذکر بے جا نہ ہو گا جو امیر محترم اس سرزمین کی بقا و سلامتی کے لئے رکھتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ اس کی ضمانت اگر کسی طرح مل سکتی ہے تو وہ حقیقی اسلام کا نفاذ ہی ہے۔ وہ پاکستان کے محرکات کے بارے میں زعماء

لینے کا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ جمہوری عمل اور ووٹوں کی سیاست سے اسلام ہرگز نہ آئے گا۔ اس کے لئے تو انقلابی عمل ہی درکار ہے۔ مروجہ سیاسی طریقوں اور انتخابات کے ذریعے نظام کی چھوٹی موٹی خرابیاں اور نظام کو چلانے والے ہاتھ تو بدلے جا سکتے ہیں' نظام نہیں بدلا جا سکتا۔ فرسودہ نظام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑنے اور ایک نئے نظام کی داغ بیل ڈالنے کیلئے انقلاب ضروری ہے۔

خطاب عام کے بعد سوالات و جوابات کی نشست ہوئی۔ سوالات تحریری طور پر کئے گئے تھے۔ آج چونکہ وقت کم تھا اس لئے باہر سے شریک ہونے والوں کے سوالات کے جوابات دیئے گئے اور فیصلہ ہوا کہ مقیم رفقا و احباب کے سوالات کے جوابات کل دیئے جائیں گے۔ آج کے چند سوالات خاصے تیکھے بھی تھے۔ لیکن امیرِ محترم نے نہایت تحمل سے جوابات دیئے۔ اگلا روز چونکہ اجتماع کا آخری دن تھا اس لئے امیرِ محترم نے اعلان فرمایا کہ کل پھر نماز فجر اجتماع گاہ ہی میں ادا کی جائے گی اور اس کے فوراً بعد کارروائی شروع ہو جائے گی۔ ناشتہ نہیں ملے گا بلکہ اجتماع کے اختتام پر یعنی گیارہ بجے کے قریب امریکہ والوں کی زبان میں برنچ (BRUNCH) ملے گا جو ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کو ملا کر بنتا ہے۔ گویا یہی ناشتہ یہی کھانا۔ ہم نے بھی سوچا کہ ٹھیک ہی تو ہے۔ امیرِ محترم ایک ایک کَس بل نکالنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ ہم کراچی والے جو دن میں کئی کئی بار چائے کے عادی ہیں، انہیں ۔ روز تو ضرور صبح شام چائے ملی بعد میں صرف ایک وقت یعنی صبح کو۔ باقی سارا وقت اللہ اللہ خیر صلّا۔ اب جو اجتماع کے آخری روز نماز فجر کے بعد کارروائی شروع ہوئی تو جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا پیٹ میں چوہوں کی دوڑ اور آنتوں کا بار بار قل ہو اللہ کا ورد بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ احساس ہوتا تھا کہ ہم کتنے آرام طلب ہو گئے ہیں جو لوگ جہاد کا عَلَم اٹھائے ہوں، انہیں سہل پسندی کہاں زیب دیتی ہے۔ اچھا کیا امیرِ محترم نے کچھ جھنجوڑ تو دیا! تحریک سہل انگاری نہیں، محنت و مشقت چاہتی ہے۔ وہ تو خونِ جگر مانگتی ہے کیونکہ۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

تحریک کے کارکن کی زندگی تو ایک انقلابی کی زندگی ہوتی ہے ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ہمارا طریق کار انقلابی ہے تو معمولی کارکن سے ذمہ دار حضرات تک سب کے معمولات زندگی میں انقلاب کا پَرتو ہونا چاہئے۔ ان کی نقشہ تو یہ ہونا چاہئے کہ۔

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگاہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

وہ جان دیں تو اللہ کی راہ میں دیں اور شہید کہلائیں اور زندہ رہیں تو غازی کی طرح، ایک انقلابی کی طرح، صورت خورشید جیں کہ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ تڑپنے پھڑکنے کی توفیق مانگیں اور پلٹنا جھپٹنا ان کا شعار ہو۔

آج اجتماع کا آخری دن ہے۔ فجر کی نماز اجتماع گاہ میں ہوئی اس کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا منتخب نصاب کا درس اور پھر اجتماع کی کارروائی۔ معلوم ہوا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ رات بھر علیل رہے ہیں۔ دل سے ان کی صحت کی لئے دعائیں نکلیں۔ اس دوران کچھ اور معمول کی کارروائی ہوئی۔ نو بجے کے قریب امیرِ محترم تشریف لائے اضمحلال طاری تھا۔ رفقا کے سوالات کے جوابات دیئے کچھ مزید کارروائی کے بعد امیرِ محترم کی دعا پر اجتماع ختم ہوا۔ سالانہ اجتماع کے آخری اجلاس کے اختتامی لمحات میں دعا سے پہلے امیر محترم نے ان نئے ساتھیوں سے بیعت لی جنہوں نے انقلاب اسلامی کے اس کارواں میں شامل ہونے کا فیصلہ کر کے گویا اپنے آپ کو امیر تنظیم اسلامی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ متعدد چادروں کو گرہ دے کر دور تک پھیلا دیا گیا۔ ایک سرا امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے ہاتھ میں تھا اور چادر کے طول میں دونوں جانب بیٹھے ان لوگوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا جو عہد و پیان کی اس ڈور میں پروئے جانے کے خواہاں تھے۔ ان کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ دو تین زیادہ یا تین چار کم۔ پھر بیعت کے الفاظ ان سب نے امیر محترم کے اتباع میں دہرائے۔ حاضرین میں سے پرانے رفقا نے بھی ان کی آواز میں اپنی آواز شامل کر لی۔ یہ الفاظ ان کے دلوں پر لکھے ہوئے ہیں لیکن زبان کو ان کے ورد سے تازہ کر لینے میں اپنا ہی فائدہ ہے۔

اس سے بھی قبل ہمارے میزبان کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر

غلام حیدر ترین نے رفقاءِ کرام کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کی زمینوں کو اجتماع کی زینت بخشی۔ کوتاہیوں پر معذرت کی۔ حالانکہ موصوف نے سات سو سے زائد شرکائے اجتماع کے جملہ اخراجات قیام و طعام برداشت کرنے کے علاوہ اپنی ضعیفی کے باوجود شب و روز رفقاء کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہ بوڑھا مجاہد جوانوں سے تیز نکلا۔ انہوں نے اپنی زمینوں کی پیشکش کی کہ تنظیم چاہے تو یہاں اپنا "رائے ونڈ" بنا لے یا کوئی تربیت گاہ یا قرآن کالج۔ یہ ان کا بہت بڑا ایثار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین! سالانہ اجتماع کے ناظم جناب مختار حسین فاروقی تھے۔ انہوں نے بھی انتظامات انتہائی خوش اسلوبی سے کئے اور دن رات لگاتار کام میں لگے رہے۔

اور لیجئے اجتماع ختم ہو گیا۔ یہ تین روز پلک جھپکنے میں گذر گئے۔ ابھی تین روز قبل ہی تو ہم ملک کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کر یہاں آئے تھے...... ایک مقصد کی خاطر...... اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر' اللہ کے جھنڈے کو دوسرے تمام جھنڈوں سے بلند رکھنے کے لئے' روحانی غذا حاصل کرنے کی غرض سے۔ پچھلے کام کا جائزہ اور آئندہ کام کے منصوبے بنانے کے لئے...... اور اب ہم جدا ہو رہے ہیں...... مصافحے ہو رہے ہیں' معانقے ہو رہے ہیں' پلکوں میں آنسو جھلملا رہے ہیں۔

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

محبت کا زمزمہ بہہ رہا ہے...... خدا کے لئے یہ الفت...... خدا کے لئے یہ محبت...... خدا کے لئے یہ ملنا...... خدا کے لئے یہ جدا ہو جانا...... نہیں نہیں' خدا کی عظمت کے لئے کام کرنے والے کبھی جدا نہیں ہو سکتے' وہ مل کر رہیں گے' ان کی دوستیاں برقرار رہیں گی...... اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی...... یہ اللہ کا وعدہ ہے...... وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے لئے محبت کی اور اس کے دین کی عظمت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی' اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔ ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے...... میرے دوستو! کیا ان سے بڑے درجات کا تصوّر بھی کیا جا سکتا ہے؟...... مجھے نبی اکرمؐ کا وہ ارشاد یاد آ رہا ہے کہ

"خدا کے لئے محبت کرنے والوں میں اگر ایک مشرق میں رہتا ہو گا اور دوسرا مغرب میں تو خداوند تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کر کے کہے گا کہ وہ شخص یہ ہے جس سے تو محبت رکھتا تھا"۔

اور خدا کی رحمت ہو نبی اکرمؐ پر جنہوں نے ہم تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچایا۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا' کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے آج کے دن میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے اور کوئی سایہ نہیں ہے"۔

اور یہ فرمان بھی

"جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے"۔

اجتماع گاہ سے رفقاء اب قیام گاہوں کی طرف آ رہے ہیں برنچ یعنی بڑا ناشتہ تیار ہے۔ ناشتہ کیا' کھانا ہے۔ سامان پیک کیا جا رہا ہے۔ ایک دوسرے سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ پھر مصافحے ہو رہے ہیں' پھر معانقے ہو رہے ہیں۔ بسیں تیار ہیں' واپس لے جانے کے لئے۔ اور لیجئے ہم بھی اپنی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی چل دی اور اپنے پیچھے ان زمینوں ان صحراؤں' ان کھیتوں کو سوگوار چھوڑ گئی۔

تری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق' گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

تحریک کے یہ جگر گوشے' میرے یہ محترم رفقا' میرے یہ عزیز ساتھی' میرے یہ دینی بھائی جو اس اجتماع سے ایک جذبۂ جواں لے کر گئے ہیں۔ اب ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے' توبہ کی منادی کرنے کے لئے۔

اٹھو! قرآن کی انقلابی دعوت اور توبہ کی منادی کا کام لے کر اٹھو۔ یوحنا اور مسیح علیہ السلام کی طرح توبہ کی منادی کے لئے...... دیکھو توبہ کا دروازہ کھلا ہے...... آؤ مل کر

منادی کریں...... توبہ کی

منادی کریں...... استغفار کی

منادی کریں...... اللہ سے اپنے تعلق کو استوار کرنے کی

منادی کریں...... نبی اکرمؐ سے اپنی نسبت کے حقیقی تعلق کو جوڑنے کی

منادی کریں...... خلافِ اسلام کاموں سے اجتناب کی

منادی کریں...... سرکشی اور نافرمانی سے بچنے کی

منادی کریں...... اللہ کی راہ میں جہاد کی

منادی کریں...... اسلامی انقلاب کی

منادی کریں...... دین حق کے قیام کی خاطر نقد جان کا نذرانہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کی۔

(ماخوذ از شمارہ ۶)

بقیہ : صاحبِ میزان

ایک اور خیال خواہ مخواہ سر اٹھا رہا ہے۔ صاحبِ میزان نے تراویح کو کبھی پہلے اپنی ترازو میں کیوں نہ رکھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسے عمل کو قبولِ عام اور تواتر و دوام حاصل ہوتا رہا جس کے لئے دین میں کوئی بنیاد موجود نہ تھی اور وہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔ ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی پریشانی کا اصل باعث "رات بھر ترجمہ قرآن سنانے کی مجلس" جیسی کوئی چیز ہو جو ان کے پڑوس میں رمضان المبارک میں ہر شب ان ایوانوں کو رونق بخش رہی ہے جن کے بارے میں پچھلے دنوں انہوں نے لکھا تھا کہ ــــــ ع

دیکھنا ان بستیوں کو تم' کہ ویراں ہو گئیں

(ماخوذ از شمارہ ۱۱)

بقیہ : بجٹ کا موسم

تبدیلیاں بروئے کار لائیں گی۔ صرف ایک ایسی حکومت ہی یہ کارنامہ سرانجام دے سکتی ہے جو اپنے ووٹروں سے تبدیلیوں کی اجازت اور اختیار لے کر آئی ہو۔

اگر ایسا نہ ہوا تو پاکستان کی اقتصادی زندگی ایک ایسی دلدل میں جا پھنسے گی جہاں حکومت آخر ایک مفلس اور غیر مؤثر ادارہ بن کر رہ جائے گی۔ شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی صورت میں پورا ملک کراچی شہر کا منظر پیش کرنے لگے گا' جہاں لوگوں کی قسمتوں کے فیصلے حکومتی ایوانوں کی بجائے کہیں اور ہوتے ہیں...... خدا پاکستان کو اس روزِ بد سے محفوظ رکھے۔

(ماخوذ از شمارہ ۱۲)

پاکستان کے مسائل کا واحد حل ___ اسلامی انقلاب

سندھ کو جبر کے ذریعے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا
جماعتِ اسلامی اب ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت ہے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے "ندا" کے پینل کا انٹرویو

اسلامی فکر اور نصب العین کی جانب ایک نئی پیش رفت اور اگلا قدم ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت میں جھلکتا ہے۔ افغان مسئلہ ہو یا سندھ کا مسئلہ 'اسلامی انقلاب کا نظریہ اور لائحہ عمل ہو یا پاک بھارت تعلقات اور امورِ خارجہ کے معاملات' تمام امور میں وہ ایک واضح اور مربوط فکر رکھتے ہیں۔ اُن کی سوچ میں تازگی بھی ہے ندرت بھی' اور گیرائی بھی' گہرائی بھی۔ سیاست پر ان کی گفتگو بے باکانہ اور تحفظّات سے بالا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ خود مروّجہ عملی اور انتخابی سیاست سے الگ تھلگ ہیں اور اس میں فریق بننے کو اپنے مشن کے لئے تباہ کُن سمجھتے ہیں۔ جب یہ صورت حال ہو تو سیاست کا غیر جانبدارانہ اور دیانتدارانہ جائزہ لینا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس دیانت' خلوص اور غیر جانبداری کے باعث ڈاکٹر صاحب کی فکر میں کمال درجہ کی حقیقت پسندی پائی جاتی ہے۔ پان اِسلام اِزم اور اسلامی انقلاب کی تمام تر رومانویت کو اپنی شخصیت اور فکر میں سموئے رکھنے کے باوجود انہوں نے اس رومانویت کو حقائق سے ہم آہنگ کرنے کا فن سیکھ لیا ہے۔ ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ شخصیات کی محبت یا عداوت کے مرض میں گرفتار نہیں ہیں اور اپنی شخصی مخالفت پر بھی غصّے کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کا انداز اصُولی اور نظری ہے۔ اس انٹرویو میں بھی ان کا یہی انداز کار فرما ہے۔ اس کے ساتھ ہی چند چونکا دینے والی باتیں بھی انہوں نے کیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ احیائے اسلام کی تحریک کو از سرِنو پرانی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں پچھلی تحریکوں کی غلطیوں اور ناکامیوں کا انہوں نے پوری گہرائی کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ انٹرویو قارئین کے لئے نہ صرف فکر انگیز ہو گا بلکہ یہ انہیں ایک نئی تحریک اور تجاویز کی جانب متوجہ بھی کرے گا۔ ....عبدالکریم عابد

سوال..... وزیر اعظم جونیجو نے مسئلہ افغانستان پر جو گول میز کانفرنس طلب کی تھی اس سے اس مسئلہ پر کچھ فائدہ ہوا؟

جواب..... گول میز کانفرنس افغانستان کے لئے تو بے کار تھی اس بارے میں اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا البتہ اس کانفرنس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ حکومت اور حزبِ اختلاف کے

درمیان برف پگھلی ہے آپس میں رابطہ قائم ہوا ہے اور شاید یہی اس کانفرنس کا مدعا تھا۔

سوال..... غالباً مسئلہ افغانستان کو بہانہ بنایا گیا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ حزبِ اختلاف سے رابطہ قائم کیا جائے شاید جو ہے بلی کے کھیل کے لئے اس کی ضرورت تھی' آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب..... ممکن ہے ایسا ہو بہرحال حکومت اور حزبِ اختلاف میں رابطہ مفید بات ہے آئندہ بھی یہ ہونا چاہئے اور اس کو نتیجہ خیز بنانا چاہئے۔

سوال..... جونیجو حکومت مسئلہ سندھ پر بھی ایک کُل جماعتی کانفرنس طلب کرنے پر غور کر رہی ہے' آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب..... اس طرح کی کانفرنس ضرور ہونی چاہئے۔ یہ یقیناً فائدہ مند ثابت ہوگی اوپن ڈائیلاگ ضروری ہیں میں نے ۷۹ء میں میثاق کے اداریہ میں لکھا تھا کہ مشرقی پاکستان کو ہم زبردستی اپنا محکوم نہیں رکھ سکتے انہیں موقع دینا چاہئے کہ وہ بحث وتمحیص کے بعد اور سارے نفع نقصان کو سمجھ کر اپنی آزادی سے فیصلہ کریں کہ پاکستان میں انہیں رہنا ہے یا نہیں سندھ کا معاملہ ذرا مختلف ہے وہ مشرقی پاکستان کی طرح ہم سے بالکل الگ اور دور نہیں ہے پھر بھی کسی علاقہ کی آبادی کی مرضی کے خلاف اسے اپنے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لئے جبر کے ساتھ سندھ کو پاکستان کا حصّہ رکھنے کی کوشش غلط ہوگی ہمیں سندھ کی قیادت کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنا اظہار کرے۔

سوال..... سندھ کا مسئلہ کس طرح پیدا ہوا اس کا پس منظر کیا ہے؟

جواب..... سندھ کے مسئلہ کی جڑ بنیاد وہی ہے جو پورے پاکستان کے مسئلہ کی ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اسلام کے نام پر ایک ملک بنایا لیکن اسلام کا صرف نام ہی نام تھا نہ تحریک پاکستان میں اور نہ اس کے بعد اصل اسلام کبھی سامنے آیا آج بھی اسلام ایک موثر قوت کے طور پر موجود نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ پاکستان کا کوئی نظری جواز اسلام کے سوا نہیں بنتا۔ اس لئے اسلام کا نام لیا جاتا ہے لیکن اسلام ہر چند کہیں کہ ہے ، نہیں ہے والا معاملہ ہے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بھارت میں کانگریس ایک مضبوط جماعت کے طور پر آزادی کے بعد موجود تھی اس کے رہنما اور کارکن تجربہ کار اور آزمائشوں سے گزرے ہوئے لوگ تھے بھارت کے برعکس پاکستان میں مسلم لیگ کوئی جماعت نہیں تھی یہ ایک تحریک تھی اور قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی جماعت تحلیل ہو گئی بھارت نے دو اور کام فوراً کر لئے ایک یہ کہ زمینداری نظام کو ختم کیا۔ جب کہ ہمارے ہاں برائے نام اصلاحات کی گئیں اور زمینداری' جاگیرداری نظام کو مضبوط کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ بھارت نے فوراً ہی دستور بنایا اور اس کے مطابق تمام امور انجام پانے لگے ان تین چیزوں کی وجہ سے بھارت کو سنبھلنے اور پنپنے کا موقع مل گیا ورنہ وہاں بھی کوئی متحد رکھنے والی قوت نہیں تھی اور نہ ایک قوم تھی لیکن آئینی اور سیاسی اقدامات نے ممکنہ انتشار کو روک دیا جب کہ ہمارے ہاں اول تو آئین بنا ہی نہیں' جب بنا تو بنتے ہی اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ بار بار کے مارشل لاء اور طول طویل مارشل لاء میں جن صوبوں کی نمائندگی فوج میں نہیں تھی ان میں احساسِ محرومی کا ابھرنا فطری تھا سندھ کے مسئلہ میں ایک امتیازی چیز زبان کا مسئلہ بھی ہے۔ قدیم سندھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اردو کی بالادستی مان لیں اور جب پاکستان بنا ہے اُس وقت آغا خاں' زاہد حسین اور دوسرے بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ عربی کو قومی زبان بنانا چاہئے لیکن مولوی عبدالحق نے زاہد حسین کو بھرے جلسہ میں آڑے ہاتھوں لیا اور اردو والوں نے اردو کے حق میں اپنی عصبیت کا مظاہرہ کیا ورنہ عربی سرکاری زبان بنائی جاتی تو کم از کم اردو سندھی جھگڑا کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

سوال..... کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ بھٹو دور میں سندھ والوں

جبر کے ساتھ سندھ کو پاکستان کا حصہ رکھنے کی کوشش غلط ہوگی۔

روس کے ترکستانی علاقے میں اسلام کی دبی ہوئی چنگاریاں موجود ہیں

کی بالادستی قائم ہو گئی تھی اور سندھیوں نے خوب جی بھر کر فائدے اٹھائے اور اپنے ہر احساسِ محرومی کا ازالہ کر لیا اور آج بھی سندھ میں نہ صرف سندھیوں بلکہ جئے سندھ والوں کی حکومت ہے اور وہ تمام فائدے سمیٹ رہے ہیں؟

جواب..... میں اس کی تردید نہیں کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ نے بھٹو دور میں بہت فائدہ حاصل کیا اور بھٹو دور سے بھی بڑھ کر جنرل ضیاء الحق کے دور میں حاصل کیا کیونکہ اس دور میں جئے سندھ کی تحریک موجود تھی اور سندھیوں میں جن لوگوں نے صدر ضیاء سے تعاون کیا انہوں نے اس تحریک کے دباؤ کو ظاہر کے خوب خوب فائدے سندھ کے لئے حاصل کئے اور اپنے تعاون کی بھرپور قیمت وصول کی لیکن بہرحال مارشل لاء اور اس کی طوالت عام آدمی کی نفسیات پر اثر انداز ہوئی۔ میں نے تو ۸۰ء میں صدر ضیاء سے کہا تھا کہ سیاسی عمل کو روکنا اس ملک کے لئے اقدامِ خودکشی ہے اور ۸۲ء میں تو انہیں ایک خط میں یہ تاریخی جملہ بھی لکھا ہے اور خدا اس جملہ کو سچ ثابت نہ کرے کہ ۷۱ء میں پاکستان کو ایک زانی، شرابی شخص نے دولخت کیا اور اس کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل کا مورخ یہ لکھے کہ پاکستان کے مزید حصے بخرے اور بلقانائزیشن ایک نمازی، زاہد اور پرہیزگار شخص کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا"

۸۲ء کی طرح ۸۸ء میں بھی اپنے اس خدشے کا میں دوبارہ اظہار کرتا ہوں اور میرے خیال میں اس خطرے کا تدارک صرف سیاسی عمل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

سوال..... کراچی کی صورتِ حال کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب..... میرا خیال ہے کہ کراچی کی صورتِ حال میں شر سے خیر کا ایک پہلو نمودار ہو رہا ہے اور ایک نئی توازن قائم کرنے والی قوت کا ظہور ہوا ہے اگرچہ ایم کیو ایم کی جئے سندھ نے بھرپور تائید و حمایت کی ہے اور اسے بیدار کرنے میں بھی ان کا ہاتھ ہے لیکن جب ایم کیو ایم بن گئی تو یہ اب ان کے منشا کے مطابق نہیں چل رہی ہے۔ انہوں نے پنجاب کے خلاف بنائی تھی لیکن ایم کیو ایم والے جئے سندھ کی حکمتِ عملی کے برعکس پنجابیوں کی بجائے پٹھانوں سے الجھ پڑے ابھی وہ اس غلطی کو درست کر رہے تھے کہ نئی باتیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں اور مجموعی طور پر یہ بات سامنے آئی ہے کہ اگر پاکستان کی تقسیم پر زور دیا گیا تو سندھ بھی تقسیم ہو جائے گا اس لئے اگر ایک سندھ چاہئے تو ایک پاکستان بھی رکھو اور مجھے یقین ہے کہ پرانے سندھی کسی قیمت پر سندھ کی تقسیم نہیں چاہتے اس لئے لازماً متحدہ پاکستان کے دائرہ میں اپنے مطالبات رکھنے ہوں گے اور مسائل کا حل تجویز کرنا ہو گا۔ میرے خیال میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں پر لازم ہے کہ وہ ایم کیو ایم کو کام کرنے کا موقع فراہم کریں اور اسے کسی ایجی ٹیشن کی طرف جانے پر مجبور نہ کریں اور مسائل کے حل کے لئے ان کو اختیار دیں۔

بِلّی کا خطرہ

سوال..... نئے انتخابات کے متعلق آپ کا کیا اندازہ ہے؟

جواب..... نئے انتخابات ضروری ہیں اور جلد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کوئی بِلّی بھی جھپٹّا مار سکتی ہے۔ خدا کرے کہ کوئی ریورس گیئر نہ لگے اور ہم جمہوریت کے راستے پر آگے بڑھ سکیں۔

نئے انتخابات پر کوئی بِلّی جھپٹّا نہ مار دے۔

سوال..... صوبائی خود مختاری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب..... صوبائی خود مختاری ضروری ہے اور ہمیں اب آئیڈیلزم کی بلند سطح سے نیچے اُترنا ہو گا وحدتِ ملّی کا پُرانا تصور موجودہ حالات میں نہیں چل سکتا اس لئے قومیتوں کو بھی تسلیم کرنا ہو گا اور علاقائی زبانوں کو بھی۔

سوال..... صوبائی خود مختاری میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمارے صوبے یک لسانی نہیں ہیں اِن میں مختلف نسلوں اور زبانوں کے لوگ ہیں اگر صوبائی خود مختاری کے نام پر کسی ایک گروہ کو تمام تر طاقت دے دی جائے تو دوسرے گروہ محرومی کے احساس کا شکار ہوتے ہیں ہنگامے کرتے ہیں اور مرکز کی طرف دیکھتے ہیں۔

جواب..... اصل چیز سیاسی عمل ہے یہ ہو گا تو ہر گروہ کے حقوق و مطالبات سامنے آئیں گے اور کوئی کسی کو دبا نہیں سکے گا ہمارے سامنے ہندوستان کی مثال ہے جہاں انگریز کے بنائے ہوئے صوبے چل نہیں سکے اور صوبوں کی نئی تقسیم کرنی پڑی لیکن پاکستان میں معلوم نہیں کیوں صوبوں کو ایک مقدّس درجہ دے دیا گیا ہے سیاسی عمل کا اجراء ہو تو صوبوں کی تشکیل بھی اس کے مطابق ہو گی۔ مجھے یاد ہے کہ غفار خان کا ایک بیان آیا تھا کہ اگر میانوالی کا ایک ضلع صوبہ سرحد کو دے دیا

اور مرکز میں تو میرے خیال میں عربی کو قومی زبان بنا لیا جائے تو ساری کشیدگی ختم ہو جائے گی اور عربی کو قومی زبان بنانے کا سب سے بڑا حامی خود سندھ رہا ہے۔ داؤد پوتا نے اس کے لئے وہاں تحریک چلائی ایک مکسی صاحب ہیں انہوں نے بیس پچیس سال پہلے پمفلٹ لکھے کہ عربی قومی زبان ہونی چاہئے بروہی صاحب نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی اگر عربی قومی زبان ہو تو عالمِ اسلام سے بھی ہمارا رابطہ ہو گا لیکن ہم نے ہمیشہ مسائل کو بہت چھوٹے پیمانوں سے دیکھا ہے شعور کی گہرائی و پختگی کے ساتھ کسی مسئلہ کا حل تجویز نہیں کیا گیا۔

سوال..... یہ بات ظاہر ہے کہ سندھ کی حکومت حالات کنٹرول کرنے میں ناکام رہی ہے اس کی اسمبلی بھی اب غیر نمائندہ چیز ہے اس لئے کیوں نہ سندھ میں نئے الیکشن ہوں اس وقت یہ بھی سوچا جا رہا ہے کہ سندھ میں فرد یا افراد کی تبدیلی سے معاملہ چلانے کی کوشش کی جائے۔ کیا اس طرح کچھ بہتری ہو گی؟

جواب..... میرے خیال میں جو حالات سندھ میں ہیں اس میں نئے الیکشن ضروری ہیں میں نے ریفرنڈم کو دستوری فراڈ قرار دیا تھا اور ۸۵ء کے الیکشن کو آئینی اور قانونی نہیں سمجھتا میرے خیال میں تبدیلی صرف یہ ہوئی کہ کھلے مارشل لاء کی بجائے ڈھکا اور چھپا مارشل لاء آ گیا تاہم جمہوریت کی جانب

معلوم نہیں کیوں پاکستان میں صوبوں کی حدود کو تقدس دے دیا گیا ہے

جائے تو ہم اپنی ساری تحریک ختم کر دیں گے اور میں نے اس کے جواب میں بیان جاری کیا تھا کہ خدا کے لئے میانوالی سرحد کے حوالے کرو اسی طرح اگر ڈیرہ غازی خان وغیرہ کے لوگ بلوچستان میں جانا چاہتے ہیں تو اس پر ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ بھارت میں نئے صوبے آخر بنے ہیں اور بہار کا صوبہ دو لسانی صوبہ ہے یعنی وہاں صوبائی زبان کے طور پر اردو اور ہندی دونوں تسلیم کی گئی ہیں یہی صورت سندھ کی بھی ہو چکی ہے کہ وہ دو لسانی صوبہ ہے صوبہ میں سندھی اردو دونوں رہیں

تدریجی طور پر آگے بڑھنے کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا اور جو حالات اس وقت سندھ میں ہیں اس کی بناء پر اس صوبہ میں نئے الیکشن سندھ کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ اس لئے اس طرح کے الیکشن کی حمایت کی جا سکتی ہے۔

سوال..... کیا یہ مناسب ہو گا کہ پورے پاکستان میں پہلے صوبوں کے انتخابات ہوں اور بعد میں مرکز کے انتخابات کرائے جائیں؟

جواب...... نہیں اس تجویز سے مجھے اتفاق نہیں ہے انتخابات سارے ملک میں ۷۳ء کے آئین کو موثر بنانے کے لئے ہونے چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے تو کم از کم سندھ میں ضرور الیکشن کرا دیا جائے۔

سوال...... سندھ میں کنفیڈریشن کی تحریک کے متعلق آپ کی کیا اطلاعات ہیں؟

جواب...... میری اطلاعات اور مشاہدہ کے مطابق سندھ میں جئے سندھ تو ہے لیکن کنفیڈریشن کی کسی تحریک کا زور نہیں اور کنفیڈریشن والوں نے خود ہی مان لیا ہے کہ ہم نے لفظ استعمال کر کے غلطی کی ہے اصل چیز وفاقی یونٹوں کے اختیارات ہیں اس پر تصفیہ ہونا چاہئے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہمیں یونٹوں کو کافی اختیارات دینے ہوں گے۔

سوال...... بھارت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کی منڈی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

جواب...... اچھے تعلقات کے لئے یہ قیمت بھی ہمیں دے دینی چاہئے۔ ہماری منڈی پر پہلے ہی غیروں کا قبضہ ہے۔ اگر بھارت سے جاپان وغیرہ کے مقابلے میں سستا مال حاصل ہوتا ہو تو اس سے خریدنے میں کیا حرج ہے ایسی صورت پیدا کرنی چاہئے جس سے بھارت کو ہمارے وجود سے کچھ منفعت حاصل ہو اور تعلقات بڑھ سکیں۔ تعلقات کی بہتری اس نقطہ نظر سے بھی ضروری ہے کہ ہم ایک نظریاتی ملک ہیں اور اپنی نظریاتی یلغار بھارت پر کر سکتے ہیں۔ وہاں کروڑوں مسلمان بھی ہیں جو نظریاتی طور پر متحرک کئے جا سکتے ہیں۔ یہ آہنی پردہ (IRON CURTAIN) جو ہم نے ڈال رکھا ہے اسے ختم کرنا چاہئے

ولی خاں کی سیاست

سوال...... ولی خاں کی سیاست کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے؟

جواب...... میرا خیال ہے کہ ولی خاں ایک شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ گذشتہ آٹھ نو سال سے وہ شدید کرب کے عالم میں ہیں۔ ان کے پختونستان کے خواب بکھر گئے' وہ اپنے ہی صوبہ میں اجنبی ہیں اور ایک مایوس سیاستدان کی طرح الٹی سیدھی حرکتیں کر رہے ہیں۔

سوال...... بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت پر آپ کا کیا مشورہ ہے؟۔

جواب...... میں تو بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کا قائل ہوں۔ مجلسِ شوریٰ کے دو اجلاسوں میں شرکت کی تھی اور وہاں بھی یہی کہا تھا کہ امن کی جارحیت (PEACE OFFENSIVE) جاری رہنا چاہئے۔ میں نے کہا تھا کہ خارجہ پالیسی بھٹو کی بنائی ہوئی ہے۔ البتہ آپ اس پر اچھی طرح چل رہے ہیں۔ بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا ہر اعتبار سے ہماری ضرورت ہے۔ امریکہ ہمارے لئے کچھ کرتا ہے تو بھارت روس کے اور قریب ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے حق میں نہیں۔

اور آمدورفت' تجارت اور دوسرے معاملات میں روابط بڑھانے چاہئیں۔ بھارت میں ہندو نفسیات پر پاکستان سے ایک خوف مسلط ہے کیونکہ سارے فاتحین پاکستانی علاقوں سے آتے رہے ہیں۔ ہندو خوف زدگی کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے اور ہمیں ہندو کی بالادستی قبول کئے بغیر باہمی تعلقات کے ذریعہ ہندو کے اس خوف کو ختم کرنا ہو گا۔

سوال...... روس کے ساتھ تعلقات کی کیا نوعیت ہونی چاہئے؟۔

جواب...... نہ اس کی دوستی اچھی' نہ اس کی دشمنی اچھی۔ معمول کے تعلقات درکار ہیں۔ زیادہ گرمجوشی کا اظہار یا اسے مشتعل کرنا دونوں غلط ہیں۔ اگر ایک اسلامی افغانستان بنتا ہے

تو یہ بھی ہمارے اور روس کے درمیان بفر بنے گا۔ یہ طے ہے کہ ہمیں مجاہدین کی مدد کرنی ہے اس لئے ہم روس سے دوستی کی زیادہ امید نہیں کر سکتے۔

سوال...... جہاد افغانستان کے متعلق آپ کا موقف کیا ہے اور مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں آئندہ کیا صورت حال درپیش رہے گی؟

جواب...... میرے خیال کے مطابق مجاہدین تین طرح کے افراد پر مشتمل ہیں۔ ایک وہ جو پہلے ہی سے اسلام کے احیاء اور دین کے غلبہ کے لئے کام کر رہے تھے۔ کیمونسٹوں کے قبضہ سے پہلے اور ظاہر شاہ کے زمانے سے ہی ان کی جدوجہد جاری تھی۔ اور در حقیقت یہ لوگ اسلام کی اس عالمی احیائی تحریک کا ایک حصہ ہیں جو سارے عالم اسلام میں تقریباً ایک ہی وقت میں نمودار ہوئی تھی۔ جیسا کہ نعیم صدیقی صاحب نے اپنے ایک شعر میں اس تحریک کے بارے میں کہا تھا کہ کہیں واضح ہے' کہیں مبہم۔ کہیں یہ اونچے سُروں میں ہے اور کہیں مدھم کیفیت کے ساتھ۔ لیکن احیائے اسلام کی یہ تحریک ساری دنیائے اسلام میں تھی اور افغانستان میں بھی تھی۔ اس کے لئے کام ہو رہا تھا لیکن جب صورت حال میں اچانک تبدیلی آئی اور پہلے کیمونسٹوں نے قبضہ کیا پھر ان کی مدد کے لئے روسی فوج آ گئی تو احیائے اسلام کی جدوجہد کے سلسلہ میں دعوت تبلیغ اور اصلاح کا کام کرنے والوں کو مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔

جہاد افغانستان میں دوسرا طبقہ علماء کا ہے جو اگرچہ پہلے کسی تحریکی انداز سے کام نہیں کر رہے تھے لیکن درس و تدریس اور دوسرے معمولات کی ادائیگی میں مصروف تھے اور نئی صورت حال میں اس طبقہ کو بھی سر بکف ہو کر میدان جہاد میں آنا پڑا۔

اس جہاد میں شامل تیسرا طبقہ وہ ہے جو کسی خاص دینی فکر یا روایتی مذہبی ذہنیت کا تو حامل نہیں لیکن افغان قوم کی مزاجی حریت کی بنا پر یہ آزادی پسند ہے۔ اسے محسوس ہوا کہ آزادی پر حملہ کیا گیا ہے تو یہ میدان میں آ گیا' اور حدیثِ نبوی کے مطابق مسلمان اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے جنگ کرے تو یہ بھی جہاد ہے۔ اس اعتبار سے انہیں بھی مجاہد کہا جا سکتا ہے۔

جہاں تک افغان مہاجرین کا تعلق ہے یہ بھی سب ایک

کالاباغ ڈیم کا مسئلہ

سوال...... کالاباغ ڈیم کے متعلق آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب...... میں اس کے تیکنیکی پہلوؤں سے ناواقف ہوں۔ ابھی جب میں سندھ گیا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ کئی سندھی فنی ماہرین بھی اس کے مخالف ہیں۔ جماعت اسلامی کے سندھی اخبار "آباد کار" میں ایک فنی ماہر کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں اعداد و شمار کے ساتھ ڈیم کی مخالفت کی گئی ہے۔ میں نے کہا ہے کہ اس مضمون کا ترجمہ مجھے فراہم کیا جائے۔ میں اسے اپنے ماہنامہ "میثاق" میں شائع کروں گا۔ ویسے میرے خیال میں یہ ڈیم ہمارے لئے کتنا ہی مفید اور ناگزیر کیوں نہ ہو' رائے عامہ کو نظرانداز کر کے اسے نہیں بنانا چاہئے۔ میرے خیال میں جب ملک میں صحیح جمہوریت ہوگی تو یہ جمہوری حکومت اور جمہوری فضا ڈیم کے مسئلہ پر زیادہ اچھی طرح غور کرنے کے لیے موزوں ہوگی۔

صحیح جمہوری فضا میں کالاباغ ڈیم کے مسئلے پر بہتر انداز میں غور ہو سکے گا

طرح کے نہیں۔ ان میں ایک طبقہ مجاہدین اور شہداء کے لواحقین کا ہے' دوسرے وہ پناہ گزین ہیں جو اپنے دیہاتوں کے اجڑنے اور کھیتوں بازاروں کی بربادی کے سبب نقل مکانی پر مجبور ہوگئے کیونکہ ان کی معاش ختم ہوگئی تھی۔ تیسرے میرے خیال میں کچھ مفت خورے بھی ہیں۔ مثلاً پاوندے وغیرہ' جو پہلے بھی ہر سال یہاں آتے اور مشقت سے روزی حاصل کرتے تھے۔ اب اس طرح کے لوگوں کے لئے معاش کی ایک آسان صورت نکل آئی ہے۔ اس لئے وہ یہاں آگئے۔ چوتھے سمگلروں' اسلحہ فروشوں ہیروئن فروشوں کا طبقہ ہے اور پانچواں گروہ کے جی بی کے ایجنٹوں اور تخریب کاروں کا ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک اندازہ یہ سامنے آیا تھا کہ کُل افغان مہاجر آبادی میں تین فی صد ایجنٹ اور تخریب کار ہیں۔ ممکن ہے اتنے زیادہ نہ ہوں لیکن ایک اچھی خاصی تعداد ان کی بھی ضرور ہے۔

آئندہ کیا ہو گا؟

افغانستان کا مستقبل مجھے یہ نظر آتا ہے کہ یہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہوجائے گا اور ایک نئی طویل کشمکش ان مجاہدین کو کرنا ہوگی۔ اس کشمکش میں عالمی اسلامی احیائی تحریک کے حامی غالباً تنہا ہوں گے کیونکہ روایتی مذہبی ذہنیت کے لوگ ظاہر شاہ یا اس طرح کی کسی اور شخصیت پر متفق ہو کر صلح کر لیں گے۔ دوسرے عام لوگ بھی اس کشمکش سے دستکش ہو سکتے ہیں اور آئندہ کی جنگ کا سارا بوجھ اسلامی تحریک کے علمبرداروں اور حامیوں پر ہو گا۔ ان کی آئندہ ضرورت پولرائزیشن یا زیادہ مؤثر اتحاد کی ہوگی۔ اس وقت یہ سات تنظیموں میں منقسم ہیں اور مل جل کر کام کر رہے ہیں لیکن آنے والے دنوں میں حالات کا تقاضا یہ ہو گا کہ وہ واحد تنظیم بنیں' ایک نظم میں آئیں اور ایک حزب اللہ بنیں...... مجھے امید ہے کہ یہ اتحاد ان میں ضرور ہو گا اور جو تجربہ انہوں نے حاصل کیا ہے اور جو صلاحیتیں پیدا کر لی ہیں' ان کی بنا پر یہ اپنی جدوجہد کو جاری رکھ سکیں گے اور انشاءاللہ اسلامی افغانستان آخر کار غیر اسلامی افغانستان پر فتح یاب ہو کر رہے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں مسلمانان عالم کو بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی کیونکہ آئندہ مغربی امداد کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ سوپر پاور کی طاقت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ افغانستان کی جنگ جب شروع ہوئی تھی تو مجاہدین کو سوپر پاور کی اعانت حاصل نہیں تھی بلکہ امریکہ والے روسی اقدام پر حیران اور ششدر رہ گئے تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ افغان قوم میں مزاحمت اور مقاومت کا جذبہ ہے تو انہوں نے بھی ڈٹ کر امداد کی اور سٹنگر میزائل نے تو سارا قصہ ہی ختم کر دیا اور یہ فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ پھر بھی اصل فیصلہ کن چیز افغانیوں کا اپنا عزم و ایمان تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آئندہ مغربی امداد نہیں ہوگی یا بہت کم ہوگی اور بالواسطہ ہوگی۔ مجاہدین کو خدا پر اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہو گا۔ لیکن یہ سارے عالم اسلام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ چاہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مجاہدین کی امداد کے لئے جو کچھ کر سکتے ہوں کریں۔ مجاہدین کو واقعی سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ کمیونسٹ افغانستان زرخیز علاقے میں ہو گا۔ مزار شریف اس کا مرکز ہو گا اور اسلامی افغانستان میں مجاہدین کے زیر قبضہ علاقے بنجر اور سنگلاخ ہوں گے لیکن یہ اصل میں چیلنج ہی تو ہے جو کسی قوم یا گروہ کی اندرونی صلاحیتوں کو بیدار کرتا اور متحرک کرتا ہے۔

سوال...... یہ اسلامی افغانستان پاکستان پر کس طرح اثر انداز ہو گا؟

جواب...... پاکستان کو اس سے بہت سہارا مل جائے گا ہماری مغربی سرحد کی حفاظت کی ایک شکل پیدا ہو جائے گی پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو لوگ کام کر رہے ہیں ان کے لئے بھی یہ اسلامی افغانستان تقویت کا باعث ہو

ہم منکرات کے خلاف مزاحمت کریں گے لیکن تشدد اور توڑ پھوڑ نہیں

جہاد افغانستان جاری رہے گا۔ وہ اسلام کے احیائی عمل کا حصہ ہے

گا۔

سوال..... کیا یہ ممکن نہیں کہ اسلامی افغانستان کے مجاہدین افغانستان کے ساتھ متعلقہ پاکستانی علاقوں پر بھی قبضہ کرلیں تاکہ فوجی کاروائی میں انہیں آسانی رہے؟

جواب..... مجھے اس سارے علاقہ کی قبائلی تقسیم اور اس کے مضمرات کا علم نہیں ہے آزاد قبائلی علاقہ کو دیکھا ہے لیکن ڈیورنڈلائن کے پار کی صورت حال کا کچھ زیادہ پتہ نہیں مگر میرا خیال ہے کہ پاکستان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا اور اگر کچھ ہو گا بھی تو اس میں ہرج نہیں اس سے پاکستان اور اسلامی افغانستان کی ایک کنفیڈریشن وجود میں آ سکتی ہے اور پان اسلام ازم کے خواب کو نئی تعبیر مل سکتی ہے۔

سوال..... افغانستان کی موجودہ صورت حال میں حکومت پاکستان کو کیا کرنا چاہئے۔

جواب..... حکومت پاکستان نے جو کچھ کرنا تھا وہ کرلیا اب اس پر کچھ پوچھنا بے کار ہے ہم اس لئے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے کہ نہ ہمارے پاس صحیح معلومات ہوتی ہیں نہ حکمت عملی سے باخبر رکھا جاتا ہے اس لئے عام جلسوں میں کھڑے ہو کر بڑی بڑی باتیں کرنا بے فائدہ ہے ہم صرف یہ دعا کرتے رہے ہیں کہ خدا ہمارے "ڈی فیکٹو" اربابِ اختیار کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا کرے۔

سوال..... افغان مسئلہ پر صدر ضیاءالحق نے دباؤ کا جس طرح مقابلہ کیا ہے وہ قابلِ تعریف نہیں؟

جواب..... واقعی بڑی ہمت کی ہے۔ اگرچہ صدر ضیاءالحق اور میرے درمیان فکری بعُد ہی نہیں شدید اختلاف بھی ہے لیکن اس معاملے میں ان کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتا انہوں نے بہت حوصلے کا مظاہرہ کیا ہے اور وزیر اعظم جو نیجو نے بھی بہر حال کوئی غیر معقول رویّہ اختیار نہیں کیا انہوں نے مسئلہ کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور عبوری حکومت پر ان کا اصرار صحیح تھا۔

سوال..... روس اگر کسی معاہدہ کے بغیر اپنی فوجیں نکال لے جاتا ہے اور کوئی تصفیہ نہیں ہوتا تو کیا صورت رہے گی؟

جواب..... میں نے عرض کر دیا ہے کہ افغانستان کو ابھی ایک طویل کشمکش سے گزرنا ہے ہمارے ہا ں پہلے بڑی گھبراہٹ تھی یوں محسوس ہو رہا تھا کہ قدموں تلے زمین نکل گئی ہے جنرل صاحب نے بھی فرمایا تھا کہ ہمارا منہ کالا ہوا ہے لیکن ریگن انتظامیہ پر امریکی رائے عامہ اثر انداز ہوئی ہے' امریکی سینٹ کی قرار داد نے اثر دکھایا ہے اور ریگن انتظامیہ نے پالیسی بدلی ہے سٹنگر میزائل بے شک بند ہو جائیں گے' روس اور

بہاریوں کا مسئلہ

سوال..... بہاریوں کے مسئلہ کیلئے کیا ہونا چاہئے؟

جواب..... بہاریوں کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ انہیں پنجاب میں آباد کریں گے تب بھی وہ رفتہ رفتہ کراچی پہنچ جائیں گے۔ صدر اپنے سندھی دوستوں کو اس پر آمادہ نہیں کر سکے کہ وہ بہاریوں کو قبول کریں اس لئے وہ ابھی تک نہیں آسکے ہیں اور ان کی آمد کسی سیاسی تصفیہ کے ساتھ ہی ممکن ہو گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پاکستانی ہیں اور انہیں پاکستان لانا ہماری ذمہ داری ہے۔

امریکہ میں کچھ نہ کچھ ضرور طے پایا ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ مجاہدین کی قوت تحلیل ہو سکے یا انہیں نظر انداز کر دیا جائے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہی ہے کہ دونوں فریق امداد جاری رکھیں گے اور جنگ چلتی رہے گی یہ البتہ ضرور ہے کہ ایک نیا چیلنج پیدا ہوا ہے اس سے مجاہدین کو اور ہمیں نپٹنا ہو گا مجاہدین کو خاص طور پر اپنی اہلیت کا ثبوت دینا ہو گا۔

سوال..... یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ جہادِ افغانستان کے اثرات روس کے اندر مسلم ریاستوں پر بھی ہوئے ہیں اور وہاں اسلامی تحریک اٹھ رہی ہے۔

جواب..... ہمیں زیادہ خوش فہم نہیں ہونا چاہئے لیکن ان اثرات کی بالکل نفی بھی نہیں کی جا سکتی افغانستان تاریخ کا اہم واقعہ ہے ایک سوپر پاور کو اپنی توہین اور تذلیل برداشت کرنا پڑی ہے روس نے ابتداء میں ترکستانی علاقے سے ہی فوج بھیجی تھی اور یہ رابطہ روس کے لئے مہنگا ثابت ہوا ان علاقوں میں تین چار نسل پہلے زبردست اسلامی اثرات تھے ان کی دبی ہوئی چنگاریاں ضرور موجود ہوں گی آج سے کئی سال پہلے جب افغانستان کا مسئلہ بھی نہیں تھا تو یہ رپورٹیں سامنے آئی تھیں کہ روس میں نقش بندی سلسلہ کے تصوّف کو فروغ حاصل ہو رہا ہے (اس موقع پر عبدالکریم عابد نے بتایا کہ تونسہ شریف کے سجادہ نشین مرحوم خواجہ نظام الدین تونسوی اکثر و بیشتر روس جاتے تھے اور میرے استفسار پر انہوں نے بتایا تھا کہ "وہاں ہمارے مریدوں کا حلقہ ہے ان کے لئے وہاں جانا پڑتا ہے" محبوب سبحانی نے بتایا کہ لاہور میں پانی والا تالاب میں بھی ایک صاحب تھے جو تصوّف کے سلسلہ کے تھے اور اس ضمن میں روس جایا کرتے تھے) ان تمام باتوں کے باوجود ہمیں زیادہ خوش فہم نہیں ہونا چاہئے اثرات ضرور ہیں اور وہ اپنے وقت پر شاید کسی کام آئیں۔

سوال..... جماعت اسلامی سے علیحدگی کے وقت اس کے متعلق آپ کا جو تجزیہ تھا' کیا آپ اسے اب بھی درست سمجھتے ہیں؟۔

جواب..... صد فیصد درست۔ میرا تجزیہ تھا کہ جماعت اسلامی اصُولی اسلامی انقلابی جماعت کی بجائے اسلام پسند قومی سیاسی جماعت میں تبدیل ہو گئی اور سیاست میں اس حد تک اور اس طرح سے ملوث ہو گئی ہے کہ اس کا بنیادی کردار ہی تبدیل ہو گیا ہے۔ میرے نقطۂ نظر سے سیاست ایک مقدّس چیز ہے اور کوئی باشعور مسلمان غیر سیاسی نہیں ہو سکتا لیکن سیاست کے دو پہلو ہیں نظری اور عملی۔ پھر عملی سیاست بھی دو طرح کی ہے' ایک انتخابی سیاست دوسری انقلابی سیاست۔ جب آپ کسی نظام کو صحیح سمجھتے ہوں اور اس میں جزوی تبدیلیاں چاہتے ہوں تو انتخابی سیاست اپنا سکتے ہیں لیکن جب نظام کی تبدیلی مقصود ہو تو انقلابی سیاست کے سوا چارہ نہیں۔

سوال..... کیا جماعت اسلامی کی سابقہ حیثیت بحال ہو سکتی ہے؟۔

بہاریوں کو پاکستان لانا ہماری ذمہ داری ہے۔

جواب..... میرے خیال میں نہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب کے آنے کے بعد مجھے کچھ امید ہوئی تھی کیونکہ وہ مزاجاً انقلابی ہیں۔ افغان مجاہدین سے بھی تعلق رہا اور انقلابی باتیں بھی کرتے رہے ہیں لیکن اندازہ ہوا کہ جب ایک جماعت کسی خاص پٹڑی پر بہت آگے چلی جائے تو واپسی مشکل ہوتی ہے۔ مولانا مودودی شاید یہ کام کر سکتے تھے لیکن ان پر جب یہ انکشاف ہوا کہ انتخابی راستہ غلط تھا تو اس وقت ان کے قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور وہ کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے تھے۔ تاہم اگر جماعت میں تبدیلی کا کوئی امکان ہے تو وہ اس ایک فیصلے سے پیدا ہو گا کہ جماعت یہ طے کر لے کہ آئندہ وہ انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لے گی۔ یہ ایک فیصلہ سارے رخ اور

انداز کی تبدیلی کا سبب ہو سکتا ہے۔ اگرچہ شوریٰ میں یہ بات ہوئی ہے کہ ہر الیکشن میں حصّہ لینا کچھ ضروری بھی نہیں ہے' تاہم الیکشن سے گریز یا انتخابی سیاست سے قطعِ تعلق کے فیصلے کے لئے جرأت رندانہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ فیصلہ جماعت کی پوری چالیس سالہ تاریخ پر خطِ تنسیخ پھیرنے کے مترادف ہو گا۔

سوال..... جب جماعت اسلامی بار بار الیکشن میں حصّہ لے گی اور ہر بار شدید ناکامی سے دوچار ہو گی تو کیا آخر کار وہ الیکشن سے الگ رہنے کا فیصلہ نہیں کرے گی۔

جواب..... اگر وہ بار بار الیکشن ہارتی ہے تو پھر کسی کام کی بھی نہیں رہے گی اور ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ چونکہ بار بار الیکشن ہمارے ملک میں ہوتے ہی نہیں' اس لئے جماعت کو ہر نیا صدمہ برداشت کرنے کے لئے لمبا وقفہ مل جاتا ہے۔

سوال..... جماعت نے ایک زمانے میں یہ طے کیا تھا کہ خودؐ امیدوار نہیں بنیں گے اور اپنے اپنے علاقوں سے اچھے اشخاص کو امیدوار بنا کر پیش کریں گے۔ کیا یہ تجربہ چل سکتا ہے؟۔

سواب..... یہ تجربہ اس وقت بھی نہیں چلا جب حالات آج سے اچھے تھے۔ اصل میں جماعت نے تدریجاً پسپائی اختیار کی۔ پہلے طے کیا ہم تنہا چلیں گے اور سہروردی اور ممدوٹؒ وغیرہ کی جانب سے انتخابی اتحاد کی تجویز کو رد کیا۔ پھر جب دیکھا کہ تنہا نہیں چل سکتے تو دستوری نکات کے لئے علماء کا متحدہ محاذ بنایا۔ اس سے بھی کام نہیں چلا تو خالص سیاسی متحدہ محاذ بنا کر جمہوریت کی تحریک چلانے پر آ گئے۔ ہر پسپائی کے ساتھ معیار بھی بدلتا چلا گیا لیکن ہاتھ پھر بھی کچھ نہیں آیا۔

سوال..... آپ کے نزدیک پاکستان کے موجودہ مسائل کا بنیادی حل کیا ہے؟۔

جواب..... بنیادی حل تو اسلامی انقلاب ہے مگر اس کی طرف ہماری کوئی مؤثر قوت یا حیثیت رکھنے والی جماعت متوجہ نہیں ہے۔ سب نے انتخابی سیاست کو اختیار کر لیا ہے حالانکہ اگر ہمیں پاکستان کا دیرپا قیام اور استحکام مطلوب ہے اور اسے کسی کا طفیلی ملک رکھنے کی بجائے ایک آزاد اور باوقار پاکستان بنانا ہے تو یہ اسلامی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر اسلامی انقلاب نہیں آئے گا تو پاکستان نہیں بچ سکے گا۔ خوش قسمتی سے افغانستان کے حالات نے ہمارے لئے اسلامی انقلاب کی ایک سبیل بھی پیدا کی ہے۔ میں خود جب افغانستان گیا تو وہاں جلال الدین حقانی سے ملاقات ہوئی تھی اور میں ان سے بہت متاثر ہوا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی کہ ہمارے اردگرد تاریخ ساز واقعات ہو رہے ہیں اور ہم ان سے بے خبر بیٹھے ہیں۔ افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ روس میں امام شامل اور لیبیا میں عمر مختار کی تحریک نے کیا تھا۔ افغانستان میں اسلامی خصوصیات رکھنے والوں کا منظم ہونا اور فوجی انداز اختیار کرنا معمولی بات نہیں۔ یہ ایک بڑی خوش آئند چیز ہے۔ اس کا اثر پاکستان پر بھی ہو گا لیکن پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے ایک تو ہم عدم تشدد پر کاربند رہنے کو ضروری سمجھتے ہیں' دوسرے یہ کہ جو حالات اس وقت ملک میں ہیں' ہمیں بہرحال ان کا لحاظ کرنا ہو گا۔ قومیتوں کا مسئلہ اور علاقائی مسائل کو ہمیں تسلیم کرنا ہو گا۔ ان کو سامنے رکھے بغیر کسی نے کوئی روڈ

متناسب نمائندگی

سوال..... کیا آپ متناسب نمائندگی کے حامی ہیں؟

جواب..... میں تو انتخابات کا آدمی ہی نہیں۔ یہ میدان میرے دائرہ کار سے خارج ہے لیکن متناسب نمائندگی میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر ہمارا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کی آراء کو اہمیت دینا ہے تو متناسب نمائندگی اس کیلئے اچھی چیز ہے۔

رولر چلانے یا جبر و تشدد کی کوشش کی تو اس سے ملک اور اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچے گا۔

سوال..... آپ کا اسلامی انقلاب کے لئے لائحہ عمل کیا ہے۔

جواب..... دو مرحلے ہیں، پہلے مرحلے میں ایک منظم مربوط اور ایمان و اخلاص سے بھرپور قوت کی فراہمی جو اسلام کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر سکے۔ دوسرا مرحلہ ایک مزاحمتی تحریک کا ہے جو برائی کو قوت سے مٹانے کے لئے سامنے آئے یعنی نہی عن المنکر بالید کے اصول پر عمل پیرا ہو۔ مروجہ نظام کے منکرات یا اس کی برائیاں خود کوئی چیز نہیں، وہ اپنے نظام کی پیداوار ہیں۔ لیکن مزاحمتی تحریک کے لئے ہم بطور علامت کچھ برائیوں کو یا کسی ایک برائی کو منتخب کریں گے اور اس کے خلاف اپنی قوت کا مظاہرہ کریں گے۔ مگر تشدد یا توڑ پھوڑ نہیں ہو گا پرامن رہ کر مظاہرے کریں گے یا پکٹنگ کریں گے، ترک موالات کریں گے۔

سوال..... منظم، مربوط اور ایمان و اخلاص سے بھرپور طاقت آپ کس طرح فراہم کریں گے؟۔

جواب..... ہمارے سامنے سیرت نبویؐ ہے۔ ہم اس پر عمل کرتے ہوئے دعوت، تنظیم اور تربیت کے طریق کار کو اپنائیں گے۔ دعوت کے سلسلہ میں ہم نے یہ اصول اختیار کیا ہے کہ اس کی بنیاد کسی شخص یا اس کے لٹریچر پر نہ ہو بلکہ قرآن پر ہو۔ قرآن کے ذریعے قرآنی دعوت دی جائے اور توحید کے اصول کے سماجی مضمرات کو عیاں کیا جائے۔ مثلاً اصول توحید کے نتیجے میں سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات اور یہ کہ ملکیت تامہ یعنی حقیقی مالک صرف خدا ہے۔ انسان صرف ملکیت کا امین ہے اور حاکمیت مطلقہ خدا کی ہے یعنی خلافت کا تصور۔ ہم اسلامی انقلاب کے لئے ایک مضبوط تنظیم بھی ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ڈھیلا ڈھالا نظم انقلاب کے لئے نہیں چل سکتا۔ اس لئے ہم نے بیعت کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بیعت سمع و طاعت فی المعروف پر ہو گی اگرچہ مشاورت ہم ضرور کریں گے لیکن فیصلے سروں کی گنتی سے نہیں ہوں گے اور امیر یا سربراہ کو فیصلے کا مکمل اختیار ہو گا۔ مجھے ایک حدیث میں اپنی تنظیم کا پورا دستور مل گیا ہے کہ "ہم اطاعت کریں گے، خواہ ہمیں حکم پسند ہو یا نہ ہو اور خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے لیکن ہم حق بات ضرور کہیں گے"۔ اس حدیث مبارک میں مشاورت کی روح پوری طرح آ گئی ہے اور یہی طریق کار ہمارا ہو گا۔ تربیت کے سلسلہ میں بھی اصل تربیت اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود اسلامی اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ وہ جوں ہی اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے، اس کے نتیجے میں معاشرتی تصادم سے دوچار ہو جاتا ہے۔ مثلاً اکلِ حلال پر اکتفا کرنا یا معاشرتی شرعی قوانین کی پابندی کرنا۔ ان میں آدمی کا اپنے گھر سے، اپنے خاندان سے، اپنے معاشرہ سے تصادم ہوتا ہے اور یہی تصادم تربیت کا اصل ذریعہ ہے۔

سوال..... اسلامی انقلاب کے لئے یہ اسلامی قوت کب تک فراہم ہو سکے گی۔

جواب..... اس کا انحصار دعوت دینے والوں کی صلاحیت پر بھی ہے اور معاشرہ کی صلاحیت پر بھی اگر معاشرہ مردہ ہو تو سو سال تک کام کا کوئی نتیجہ نہیں ظاہر ہو گا اور معاشرہ میں جان ہو تو جیسا کہ حضورؐ کے زمانے میں ہوا تھا، ہماری زندگیوں میں بھی یہ قوت فراہم ہو سکتی ہے لیکن ہمیں جلد بازی سے نہیں سوچنا چاہئے۔ دو تین چار نسلیں بھی اس کام میں لگ جائیں تو لگے رہنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی زبان سے امر بالمعروف جاری رکھنا چاہئے یعنی اچھائی اور نیکی کی طرف دعوت اور اس سلسلہ میں جو آزمائشیں پیش آئیں، خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہنا چاہئے۔ جب لسانی و زبانی دعوت کے ذریعہ قوت جمع ہو جائے گی تو منکرات کے خلاف قوت کے ساتھ مظاہرے کریں گے

ہماری تنظیم کی بنیاد سمع و طاعت فی المعروف پر ہے۔

پاکستان کے مسائل کا بنیادی حل اسلامی انقلاب ہے۔

اور اس مرحلے میں مار کھاؤ اور ہاتھ نہ اٹھاؤ کے اصول پر عمل کرنا ہو گا۔

ہماری تنظیم کی بنیاد جس طرح سمع وطاعت والی حدیث پر ہے ویسے ہی ہمارے طریق کار کی بنیاد بھی ایک حدیث پر ہے جس میں ایمان کی تین حالتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک برائی کے خلاف دل میں نفرت رکھنا' دوسری زبان کے ذریعہ اس کے خلاف اظہار کرنا اور تیسری اسے ہاتھ سے اور قوت سے روکنا۔ ہم ایمان کے اس تیسرے درجے کے مظاہرہ کے لئے تنظیم قائم کریں گے اور جب ایمان کے اس درجے کا مظاہرہ ہو گا تو انقلاب آ سکے گا۔

سوال..... اس اسلامی انقلاب کے لئے مختلف دینی جماعتوں سے کیا اشتراک عمل نہیں ہو سکتا؟۔

جواب..... اس کی خواہش تو کی جا سکتی ہے لیکن صرف خواہش ہی ہو سکتی ہے' عملاً یہ محال ہے۔ کیونکہ ہر دینی جماعت ایک زندہ وحدت (LIVING ORGANISM) کے طور پر ہوتی ہے اس کا ایک "برین ٹرسٹ" ہوتا ہے' ایک قیادت ہوتی ہے' ایک نفسیات ہوتی ہے' کچھ مادی امور اور مفادات ہوتے ہیں۔ اس لئے اشتراک اور اتحاد محال ہے۔ البتہ آپ اپنا کام جاری رکھیں تو ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ ہر جماعت اور ہر حلقے میں جو مخلصین کے گروہ ہیں' وہ آپ کے ساتھ آ جائیں۔ فرقہ وارانہ یا مکاتب فکر کے اختلافات کی رکاوٹ بھی مسلسل کام سے ختم ہو جاتی ہے۔ حضور اکرمؐ کے زمانے میں بھی عیسائی اور یہودی موجود تھے اور حضورؐ کو ان سے تعاون کی توقع بھی تھی لیکن سب سے بدتر مخالف یہی لوگ نکلے۔ اس کے باوجود انہیںؐ کامیابی ہوئی۔ اگر وہ فرقہ وارانہ عداوت ختم ہو سکتی تھی تو آج بھی مسلمانوں کے اندر کی فرقہ واریت اسلامی

ایرانی انقلاب کیا ہے

سوال..... ایران کے اسلامی انقلاب کے متعلق آپ کا کیا تجزیہ ہے؟

جواب..... میرے تجزیہ کے مطابق یہ شیعہ اسلام کا ایک جارحانہ (MILITANT) اظہار اور اُبھار ہے میں اسے انقلاب بھی نہیں کہوں گا کیونکہ اس میں حقیقی انقلاب کی علامات موجود نہیں۔ دراصل پاکستان اور ایران میں فرد واحد یعنی بھٹو اور شاہ ایران کے خلاف نفرت نے تحریکوں کو جنم دیا۔ پاکستان میں اسے کامیاب بنانے کیلئے اس پر نظام مصطفیٰ کا لیبل چسپاں کر دیا گیا اور ایک مولوی یعنی مفتی محمود مرحوم و مغفور کو اس کا سربراہ بنایا گیا۔ ایران میں بھی یہی ہوا۔ لیکن وہاں مولوی منظم تھے۔ ان کا ایک مضبوط ادارہ تھا۔ اور فوج کے خلاف عام نفرت تھی۔ اس لئے مولویوں کے ادارہ نے "ٹیک اوور" کر لیا جبکہ یہ کام پاکستان میں فوج نے کیا۔ لیکن ایرانی مولویوں کا ذہن چونکہ پرانا تھا اس لئے وہ معاشی انقلابی اصلاحات کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکے۔ ایران کا انقلاب بہرحال اپنی توسیع چاہتا ہے اور اسے اپنی مارکیٹ عراق اور پاکستان ہی نظر آتی تھی۔ عراق سے جنگ چھڑ گئی ہے لیکن پاکستان کے ساتھ تعلقات میں ابھی کوئی سنگین مسئلہ پیدا نہیں ہوا اور خدا کرے کہ یہ صورت قائم رہے۔

انقلاب کی راہ میں مستقل رکاوٹ نہیں ہے۔ مسلسل کام کرتے رہنے سے اس رکاوٹ کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔

سوال..... اسلامی انقلاب معاشی دائرہ میں کیا انقلاب لا سکتا ہے؟۔

جواب..... سب سے بڑا انقلاب تو معاشی دائرہ میں ہی آئے گا۔ سرمایہ کاری کی فضا کو برقرار رکھ کر سرمایہ داری کو ختم کرنا قرآن اور اسلام کا ہدف ہے۔ جہاں تک زمینداری نظام کا تعلق ہے' امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے۔ لیکن چونکہ ملوکیت کا دور چل پڑا تھا اس لئے فقہا نے قانون ضرورت کے تحت غیر حاضر مالک اراضی کے لئے مزارعت کو تسلیم کر لیا جس طرح ہم مارشل لاء میں بہت سی غلط باتیں مان لیتے ہیں' ایسے ہی دور ملوکیت کی وجہ سے مزارعت کے سلسلہ میں اسلام کے اصل قوانین نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر ہمارے ہاں تو قاضی ثناء اللہ امرتسری یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہاں زمین کی ملکیت ہے ہی نہیں۔ برصغیر کی زمین مفتوحہ ہے۔ اس لئے یہ خراجی زمین ہے اور حکومت کی ملکیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکومت ساری زمین کو سرکاری ملکیت قرار دے کر نیا بندوبست اراضی جو قوم کے مفاد میں ہو' نافذ کر سکتی ہے۔ میں برسوں سے یہ بات کہہ رہا ہوں لیکن اخبار والے اسے تو اہمیت نہیں دیتے' پردہ وغیرہ کے متعلق باتوں کو زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

(ماخوذ از شمارہ عـ)

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا
"اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جب باہم عہد کرلیں" (البقرہ: ۱۷۷)
MOVING & STORAGE
VANPAC (PAK) INC.
VANPAC
P.O. BOX 6028
8-A, Commercial Building
Abid Majeed Road, Lahore Cantt. P A K I S T A N
CABLES: "V A N C A R E"
PHONES OFF. : 372532 - 373446
RES. : 372618

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ولیسا بوجھ نہ ڈال جیسا تونے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کرے

ہماری غلطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

عطیہ اشتہار

میاں عبد الواحد

نکوان سٹریٹ، پرانی انارکلی، لاہور

جمیل الرحمٰن

قاضی حسین احمد کو شاید یاد نہیں

"ندا" کے پچھلے شمارے میں امیر جماعت اسلامی پاکستان، جناب قاضی حسین احمد کا جو انٹرویو ہم نے شائع کیا شاید اس کے مقطع میں آ پڑی تھی سخن گسترانہ بات، کہ ہمارے ایک مہربان قلمی معاون کا یہ مراسلہ آ پہنچا۔ جمیل الرحمٰن بھولا والے (۲۴ر جاپان مینشن نمبر ۲، ریڈی سٹریٹ۔ کراچی - ۳) علیل رہے اور اسی باعث تا حال ہمیں ان کا قلمی تعاون میسر نہ ہوا تھا۔ لیکن اس انٹرویو نے ان کے قلم کو تحریک دی۔ وہ "گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں"۔ اگست ۱۹۴۵ء سے اگست ۵۸ء تک جماعت اسلامی کے رکن رہے اور اب تنظیم اسلامی کے رفیق سفر ہیں۔ جماعت اسلامی کے ساتھ عمر عزیز کے تیرہ سال گزارنے کے بعد انہیں اتنا حق تو ضرور حاصل ہوا ہے کہ کچھ اپنی بھی کہیں۔ ان ہی کی تحریر بلا تبصرہ یہاں دے رہے ہیں کیونکہ ؏ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی ....مدیر

آپ نے محترم قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی پاکستان کا انٹرویو پوری صحافیانہ دیانت داری سے اپنے قارئین تک پہنچایا ہوگا۔ تاہم مجھے محترم قاضی صاحب کے اس بیان سے اختلاف ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور نے کسی جماعتی پلیٹ فارم اور کسی فورم سے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ مولانا مرحوم ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے نتائج سے بد دل ہو کر اس فیصلے پر پہنچ گئے تھے کہ انتخابات اسلامی انقلاب کا واحد ذریعہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو ہفت روزہ "طاہر" لاہور کی اشاعت ۵ر تا ۱۱ر اپریل ۱۹۷۶ء کا ایک افتتاحیہ بھیج رہا ہوں جو مولانا مرحوم کے خیال کی صدائے بازگشت تھی اور ماہنامہ "میثاق" لاہور کے فروری ۱۹۸۸ء کے شمارے میں جس کی نقل شائع ہوئی ہے۔ براہ کرم اسے شامل اشاعت کیجئے۔

محترم قاضی صاحب کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ انہوں نے اپنے انٹرویو کے اس حصہ میں مغالطہ دینے کی یا تو دانستہ کوشش کی ہے یا عدم واقفیت کی بنیاد پر غیر دانستہ طور پر ان کی اس بات میں مغالطہ شامل ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں راقم ایک تفصیلی مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ البتہ فوری طور پر قاضی صاحب مدظلہ کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ کہیں دھواں دیکھ کر ہی یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق ہفت روزہ "طاہر" لاہور جماعت اسلامی کے موئیدین و متفقین کا پرچہ تھا۔ اس نے مولانا مودودی مرحوم کے بیان سے منسوب کر کے جب لکھا ہے کہ "سید مودودی نے کیا فرمادیا؟ یہ کہ انتخابات اسلامی انقلاب کا واحد ذریعہ نہیں ہیں۔ اور وضاحت اس کی یوں کی کہ جمہوریت میں اور بھی بہت سے ذرائع ہیں جن سے کام لیا جاسکتا ہے......" تو اس میں لازماً صداقت ہے۔

اس ضمن میں راقم مولانا سید وصی مظہر ندوی (موجودہ ایم۔ این۔ اے) جو ۵۸ء سے ۸۰ء تک جماعت کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے ہیں، کے ایک انٹرویو کی طرف محترم قاضی حسین احمد کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے جو ملک کے موقر اور

کثیرالاشاعت روزنامہ "نوائے وقت" میں مئی ۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں مولانا موصوف نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

"مولانا مودودی بھی بالاخر اسی نتیجہ پر پہنچ چکے تھے (کہ

طاہر لاہور

۵ تا ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء

سیّد مودودی نے یہ کیا کہہ دیا؟

سیّد مودودی نے کیا فرما دیا ہے — یہ کیا کہہ دیا انہوں نے ہے — انتخابات اسلامی انقلاب کا واحد ذریعہ نہیں ہیں، اور وضاحت اس کی یوں کی کہ جمہوریت میں اور بھی بہت سے ذرائع ہیں جن سے کام لیا جا سکتا ہے، اگر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہم خیال بنایا جائے، اس راستے میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کی جائے، قید و بند کی صعوبتیں بھی درپیش ہوں تو راہِ مستقیم نہ چھوڑی جائے۔ آبادی کے بڑے حصے میں زیادہ سے زیادہ لٹریچر پھیلایا جائے۔ جب آبادی کی کثیر تعداد ہم خیال ہو جائے گی، تو حکمرانوں پر دباؤ ڈالا جا سکے گا اور انہیں جھکنے پر مجبور کیا جا سکے گا۔ دلیل اس کی یوں دی کہ ماضی قریب میں ہندوستان سے انگریز کو بھگانے کے لیے اسے کسی انتخاب میں شکست نہیں دی گئی تھی، بلکہ رابطۂ عوام کے ذریعے ہی بھگایا گیا تھا۔ سیّد محترم کے ان خیالات کو بار بار پڑھیے اور پھر سوچیے، کیا کہہ دیا انہوں نے؟ اس نتیجے پر پہنچے بغیر چارہ نہیں رہے گا کہ جناب سیّد نے ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے واشگاف کیا ہے اور جھجک جھجک کر مایوس ہو جانے والوں یا چل چل کر تھک جانے والوں کو امید سے آگاہ کیا ہے، ذوقِ سفر سے ان کا تعارف کرا دیا ہے۔

انتخابات کے ذریعہ سے اسلامی نظام کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا) دسمبر ۷۵ء کی جماعت کی شوریٰ میں شدید علالت کے باوجود بیس منٹ کی جو مختصر تقریر انہوں نے کی تھی، اس میں انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ میں نے بالغ رائے دہی کی وکالت کی ہے لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی اور یہ امت کی قسمت کو جاہلوں کے حوالے کر دینا ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اس ملک میں آج تک کوئی شخص بھی انتخابی طریقے سے برسراقتدار نہیں آیا بلکہ جو شخص نمبر دو پر کھڑا تھا اسی نے جگہ سنبھال لی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس بات کی زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ نمبر دو پر کھڑے ہونے سے میری مراد کیا ہے؟ مولانا مودودی کی یہ تقریر شوریٰ کی کاروائی میں مکمل طور پر درج ہے....."

اگلے سوال کے جواب میں مولانا وصی مظہر ندوی نے حسب ذیل جواب دیا۔

"میری پاس شواہد موجود ہیں کہ مولانا مرحوم اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جماعت کی موجودہ قیادت سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے۔ ایک بار تو نوبت یہاں تک آئی کہ مولانا مودودی کو ان قائدین کے خلاف اخبارات میں بیان جاری کرنا پڑا جس میں انہوں نے میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ جماعت اسلامی کو چلانے کے لئے لیڈر بنائے گئے ہیں جماعت کو ختم کرنے کے لئے نہیں۔ جماعت کے رہنماؤں نے اس بیان کو **KILL** کرانے کی بے حد کوشش کی لیکن وہ بعض اخبارات میں شائع ہو ہی گیا"۔

"ہفت روزہ طاہر لاہور" کی مذکورہ اشاعت میں غالباً اسی بیان کا حوالہ ہے..... بہرحال راقم نہایت ادب کے ساتھ محترم قاضی حسین سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہے کہ کیا اس دور میں جماعت اسلامی نے مولانا مرحوم کے اس بیان کی کوئی تردید شائع کی تھی؟ یا کوئی ایسی بات اشاعت پذیر ہوئی تھی جس میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہو کہ مولانا مرحوم نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا۔ اس بیان کی مولانا کی طرف نسبت غلط ہے! اگر قاضی حسین صاحب قبلہ ایسی کوئی شہادت اخباری سطح پر فراہم کر سکیں تو مستقبل کے مورخ کو "جماعت اسلامی" کی صحیح تاریخ اور اس کے مختلف اقدامات کے بیان میں بڑی مدد ملے گی۔ (ماخوذ از شمارہ ۳۸)

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"
اور ــــ جنرل فتحی رزق

ہمارے وہ بھائی بھی قرآن مجید کا یہ حق تو اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب ہدایت کو کبھی کھول کر نہیں دیکھا، کہ اسے چوم چاٹ کے گھر میں کسی اونچی جگہ پاک صاف ریشمی کپڑے کے غلاف میں لپیٹ کر رکھنا چاہئے لیکن اس کا حق ادا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب اس پر ایمان رکھا جائے، اس کی باقاعدہ اور بلاناغہ تلاوت کی جائے، اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے، سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا بھی جائے اور پھر اس پر نیک نیتی اور ارادے کی پختگی کے ساتھ عمل کیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسلمانوں پر قرآن مجید کے انہی پانچ حقوق کی، دو اور دو چار کی طرح سمجھ میں آنے والی اور دل میں اتر جانے والی تشریح سالہا سال پہلے اپنی ایک تقریر میں کی تھی جو بعد میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ چھوٹی سی کتاب اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی اور اس کا ترجمہ انگریزی، عربی، فارسی، سندھی اور پشتو میں بھی ہو چکا ہے۔

رمضان المبارک کو قرآن مجید سے جو خصوصی نسبت ہے، اس کے حوالے سے برکتوں والے اس مہینے میں مذکورہ کتاب کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جاتا ہے۔ اس کتابچے پر علماء، رجال دین، اہل قلم اور عام پڑھنے والوں نے جن آراء کا اظہار کیا، وہ اپنی جگہ۔ میں تو

Gen. Fathy Rizk

Ex. Minister Of Industry

37, TALAAT HARB STREET. CAIRO
CABLE : UNICONSULT CAIRO

TEL. { B. 74650 / DLE. 49944 }

یہاں ایک تاثر بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ قیامِ سعودی عرب کے دوران میری ملاقات مصری جنرل فتحی رزق سے رہی جو میرے سعودی دوست کی بہن کے خسر تھے اور کچھ دن ارض پاک میں گذارنے کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ جنرل نجیب کے ساتھیوں میں سے اور اُس وقت بھی مصری فوج میں جنرل کے رینک پر اور "کوارٹر ماسٹر جنرل" کے اہم وحساس عہدے پر فائز تھے جب جمال عبدالناصر محض ایک کرنل تھے۔ تاہم اپنے پختہ دینی مزاج کے باعث وہ شاہ فاروق کا تختہ الٹے جانے پر جنرل نجیب کے ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ انقلاب کے بعد کرنل ناصر نے جب جنرل نجیب کو بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا تو جنرل رزق کا "کیو۔ ایم۔ جی" جیسے کلیدی منصب پر فائز رہنا ان کے اصل ارادوں کے آڑے آتا تھا چنانچہ انہیں "ترقی" دے کر وزیر پیداوار بنا دیا گیا اور یوں فوج سے ان کی چھٹی

ہو گئی۔ اُن دنوں وہ قاہرہ میں مشاورت کا نجی کاروبار چلا رہے تھے۔

میری ان کے ساتھ طویل نشستیں اور لمبی چوڑی گفت و شنید رہی۔ دین کا درد انہیں بہت بے چین رکھتا اور مسلمانوں کی زبوں حالی انہیں بھی بہت کھلتی تھی۔ میں نے اسی سیاق و سباق میں اپنے بھائی 'ڈاکٹر اسرار احمد' کے کام کا ذکر کیا لیکن ان کے تعارف کے لئے میرے پاس ان کی وہ بنیادی کتابیں موجود نہ تھیں جن سے ان کا فکر اور طریقہ کار واضح ہوتا ہے اور جو میں انہیں مطالعے کے لئے دیتا تو میرا کام آسان ہو جاتا۔ حسن اتفاق سے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا انگریزی اور عربی ترجمہ میرے پاس موجود تھا' وہ دونوں میں نے ان کو پیش کر دیئے۔ اگلے روز تشریف لائے تو چہرے بشرے پر بشاشت تھی۔ از سر نو مجھ سے اپنے بھائی کے کام اور ان کی تحریک کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں جیسے پہلے وہ میری یہ باتیں سنی ان سنی کرتے رہے ہوں اور گہرے تاثر کے ساتھ کہنے لگے...... "سیدؐ اقتدار! میں نے یہ کتاب انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ میں پورے شعور اور اطمینان سے یہ گواہی دیتا ہوں کہ اسے لکھنے والا شخص کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کی راست روی کی ضامن رہے گی....." .... (اقتدار احمد)

(ماخوذ از شمارہ ۸)

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مرکز

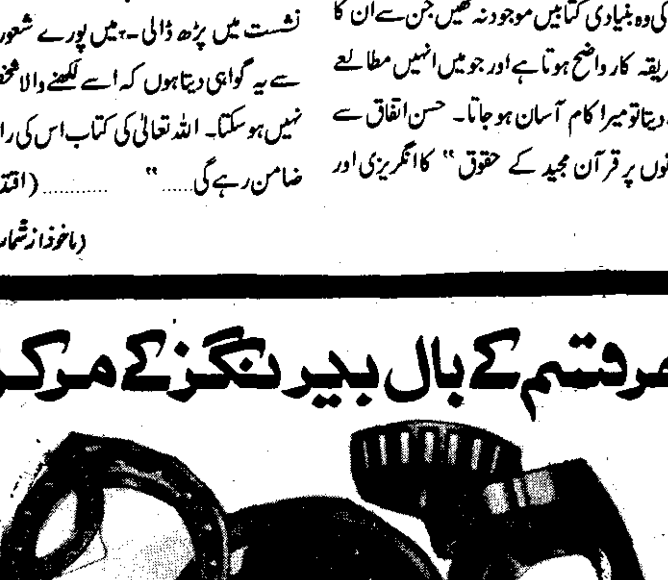

سندھ بیرنگ ایجنسی، ۶۵۰ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز۔ کراچی، فون: ۷۲۳۳۵۸، ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز۔ بالمقابل کے۔ ایم۔ سی ورکشاپ۔ نشتر روڈ۔ کراچی

فون ۷۳۵۸۸۳، ۷۳۲۹۵۲ — ۷۳۰۵۹۵

روزوں کے دن اور تراویح کی راتیں

رمضان المبارک کے دن اور اس کی برکتوں والی راتیں پاکستان میں تو گزاری ہی ہیں، ان کا نقشہ حرمِ مکیؓ، حرمِ نبویؐ، جدہؔ، لیبیا، لبنان اور مصر میں بھی دیکھا۔ بشرط زندگی ماہ مبارک کے باقی شماروں میں ان کا ذکر بھی ہو گا۔ اس موقع پر عملی افادیت کے اعتبار سے رمضان میں شب بسری کے اس منظر کی لفظی تصویر پیش کرنا چاہوں گا جو لاہور میں جامع قرآن اکیڈمی (۳۶۔ کے بلاک۔ ماڈل ٹاؤن) میں گذشتہ تین سال سے دیکھنے کو مل رہا ہے۔ شاید کسی پڑھنے والے کے شوق کو مہمیز لگے اور وہ اسی سال اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے پہنچ جائے۔

قرآن اکیڈمی کی مسجد میں عشاء کی اذان دوسری مساجد کے مقابلے میں آدھ پون گھنٹہ تاخیر سے ہوتی ہے۔ جماعت کے بعد موکدہ سنتیں پڑھتے ہی لوگ جانب قبلہ ان متعدد الماریوں کا رخ کرتے ہیں جن میں مصحف کے سینکڑوں نسخے موجود رہتے ہیں۔ آن واحد میں مسجد کے ہال اور صحن میں درجنوں پست اور لمبے لمبے بنچ پھیل جاتے ہیں جو عام مساجد میں بھی تلاوت کے لئے قرآن مجید کو رکھنے کی غرض سے استعمال ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ مصحف کے ساتھ ہی اپنی اپنی نوٹ بکس اور قلم بھی کھول کر مستعد ہو بیٹھتے ہیں۔ اب ڈاکٹر اسرار احمد اللہ کا نام لے کر تراویح کی پہلی چار رکعتوں میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کے حصے کا ترجمہ اور مختصر تشریح اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ شان نزول، زمانہ نزول اور اس سے مضمون کی مناسبت واضح ہوتی اور اللہ کے رفیع الشان کلام کا ربط، معنی اور مفہوم ہی ذہن میں محفوظ نہیں ہو جاتا بلکہ پوری پوری آیات کچھ دیر کے لئے ہی سہی، حافظے میں بیٹھ جاتی ہیں۔ اس کے بعد مشینی پھرتی سے لوگ بنچ ایک کونے میں رکھتے اور نماز کے لئے کھڑے ہو کر قرآن مجید کا وہی حصہ چار تراویح میں ایک خوش الحان حافظ سے سنتے ہیں جو الفاظ مبارکہ کے موتی اس روانی اور خوبی سے قرات کے ملکوتی ترنم میں پروتے ہیں کہ ایک ایک نگ الگ الگ شمار ہو سکے۔ آواز کا زیرو بم بھی معانی سے مناسبت رکھتا ہے اور سننے والوں کے کان ہی آواز نہیں سنتے، دل و دماغ بھی پیغام ربانی وصول کر رہے ہوتے ہیں کہ چند منٹ پہلے ہی وہ اس کا مفہوم اپنی زبان میں سن چکے ہیں۔ ہر چہار رکعت سے پہلے یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔ پہلی آٹھ رکعت کے بعد پندرہ منٹ کا وقفہ کیا جاتا ہے جس میں قرآن اکیڈمی کی طرف سے چائے کا الگ انتظام ہوتا ہے اور خوش حال طبقے سے تعلق رکھنے والے نمازی اپنی تھرمس الگ لاتے ہیں۔ حلقوں میں بیٹھ کر لوگ ایک دوسرے کی تواضع اپنے اپنے مخصوص مشروبات سے (بلکہ ماکولات سے بھی) کرتے اور اگلی بارہ رکعت کے لئے توانائی ذخیرہ کر لیتے ہیں

جس میں مزید کوئی وقفہ نہیں ہو گا۔ بیان قرآن اور تراویح کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' رات بھیگتی جاتی ہے' ماحول میں خامشی کا راج ہو جاتا ہے اور کانوں کو ایک ہی نغمہ سنائی دیتا ہے جسے ع۔ روح نے اور روح سنائے۔

صبح کاذب جوں جوں نزدیک آتی ہے کلام ربانی کی شان وشکوہ میں حلاوت اور تاثیر بڑھتی جاتی ہے۔ دماغ تکان اور نیند کے غلبے سے جتنے بوجھل ہوتے چلے جاتے ہیں دلوں کی کھڑکیاں اتنی ہی زیادہ وا ہوتی جاتی ہیں۔ اس کیف وسرور کا بیان الفاظ میں ہو تو کیسے جو صرف محسوس کی جا سکنے والی چیز ہے۔ بیس تراویح یوں مکمل کر کے اور تین وتر با جماعت پڑھ کر جب لوگ فارغ ہوتے ہیں تو سحری کا وقت ختم ہونے میں بس اتنا وقت باقی ہوتا ہے کہ بھاگ دوڑ کے اپنے اپنے گھر پہنچیں اور روزے کی نیت سے پہلے کچھ کھا پی لینے کی سنت تازہ کرلیں۔

یہ معمول جامع قرآن اکیڈمی میں گذشتہ تین سال سے جاری ہے۔ پہلے دو سال ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ کٹھن کام خود کیا' تیسرے سال ان کے شاگردان رشید نے لاہور شہر میں قرآن اکیڈمی سمت تین چار جگہ اسے پھیلایا اور اس سال ڈاکٹر صاحب خود ہی جامع قرآن اکیڈمی میں یہ بھاری پتھر پھر اٹھا رہے ہیں۔ پورے ماہ مبارک میں قرآن کے ساتھ رات گزارنے کا یہ انداز میری محدود معلومات کی حد تک تو کہیں اور اپنایا نہیں جا رہا۔ اگر کہیں ایسا ہو رہا ہے تو مبارک ہے' مسعود ہے اور مطلوب بھی ہے۔ رمضان میں شب بسری کا یہ ڈھنگ اعلیٰ تعلیم یافتہ لیکن روح کی پیاس رکھنے والوں کو بہت بھایا جو تراویح کے عام انداز سے' جس کے باعث الحمد للہ کہ ہمارے شہروں کے گلی کوچے عشاء کے بعد گھنٹہ پون گھنٹہ تلاوت سے گونجتے تو رہتے ہیں' تشنگی محسوس کرتے اور اِلّا ماشاءاللہ ان کی افادیت سے مایوس ہو کر اس اجتماعی نفلی عبادت کو ترک ہی کر بیٹھے تھے۔ .... (اقتدار احمد)

(ماخوذ از تعمیرِ)

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّةَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:۔

"اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ"

قُلْنَا: "لِمَنْ؟" ــــــ قَالَ
"لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ"
ــــــ (رواہ مسلم) ــــــ

ایک عاشقِ قرآن

بلحاظ حیثیت و مرتبہ محترم اور عمر کے اعتبار سے عزیزم مجیب الرحمٰن شامی ملک کے معروف صحافی اور ہمارے مہربانوں میں شامل ہیں۔ وہ برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد ' ان کے انقلابی فکر اور ان کی جماعت "تنظیم اسلامی" سے بڑی حد تک متعارف ہیں اور بالعموم ان سب کے بارے میں اچھی ہی رائے رکھتے ہیں لیکن اپنی وسیع المشربی اور روایتی رواداری کے باعث "اندھیرے اجالے وہ چوکتے بھی نہیں"۔ ان کی کمین گاہ کی طرف سے ڈاکٹر صاحب موصوف کو طنز (اور بعض اوقات استہزاء بھی) کے تیروں کا اکثر سامنا رہتا ہے۔ انہیں مذہبی' دینی' سیاسی' صحافتی اور حکومتی حلقوں میں غیر معمولی طور پر یکساں رسائی حاصل ہے چنانچہ اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں بھی آتی ہے۔ وہ قرآن اکیڈمی سے سکونتی قرب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر جہری نمازیں اسی کی مسجد میں پڑھتے اور ان دنوں وہاں رمضان المبارک کی راتوں کی بہار لوٹ رہے ہیں۔ برادر محترم کے دورۂ ترجمہ قرآن پر ان کا تأثر موقر روزنامہ نوائے وقت کے جلسہ عام میں پڑھا (جس کا متعلقہ حصہ اسی صفحے پر نقل کیا جارہا ہے) تو صاف محسوس ہوا کہ یہ تحریر صحافی شامی کی نہیں' اس مجیب الرحمٰن کی ہے جو ان کے اندر مستور ہے اور جو شدت احساس سے مغلوب ہو کر تصنع اور بناوٹ ہی سے نہیں' رائج الوقت صحافت کی مصلحتوں سے بھی بغاوت پر اتر آیا ہے۔

ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم داعی و عاشق قرآن ' ڈاکٹر اسرار احمد ' سے قریبی تعلق اور نسبت رکھتے اور ان کی مدح میں کچھ کہتے رسم و دستور زمانہ کے مطابق ' برے لگتے ہیں ورنہ ان کے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں ' بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا۔ ان کے لئے تو ہم محاورتاً نہیں واقعی گھر کے بھیدی ہیں ہی متعدد مذہبی پیشواؤں اور دین کے داعیوں کی ذاتی زندگی میں جھانکنے کے مواقع بھی وافر ملے لہٰذا تقابل اور موازنے کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔ ہم سے بہتر کسے معلوم ہے کہ اگر وہ دنیا کمانے اور منصب و جاہ کی طلب میں اپنی توانائیاں صرف کرتے تو آج ان کا شمار اس ملک کے چوٹی کے چند افراد میں ہوتا۔ انہیں بھی اللہ نے چار ہونہار بیٹوں اور پانچ سعادت مند بیٹیوں سے نوازا ہے۔ بیٹے ذہانت و فطانت اور قابلیت میں کسی سے کم نہیں۔ مروج تعلیم میں بھی پیچھے نہ رہے۔ اعلیٰ و ارفع ڈگریوں کے لئے باہر بھی جا سکتے ہیں لیکن ایک چھوٹے کو چھوڑ کر جو ہنوز لڑکپن میں ہے ' تینوں باپ کے ساتھ ہمہ وقت و ہمہ تن اس کے مشن کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ دو قرآن کے پورے حافظ ہیں اور تیسرا بھی آدھا نہیں تو ایک تہائی ضرور ہو گا۔ آج قرآن اکیڈمی کی مسجد میں ہر روز جو محفلِ یک شب جمتی ہے ' اس میں باپ اگر عشق و فہم قرآن کے موتی بکھیرتا ہے کہ یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر اور اسی سے فقیری میں ہے وہ امیر تو ایک بیٹا تراویح میں کلام ربانی کو پڑھتا اور ان موتیوں کو لحن داؤدی کی لڑی میں پروتا ہے۔ دوسرا ایم بی بی ایس ہونے کے باوجود اگرچہ اسی محفل کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ اور متعلقہ انتظامی امور کی نگرانی کرتا ہے ' تاہم اگر وہ بھی قرآن سنانا شروع کرے تو (جیسے بقول لتا "جی" مہدی حسن خاں کے گلے میں بھگوان بولتے ہیں) اس کے گلے میں باذوق سامعین کو مرحوم و مغفور شیخ خلیل حصری بولتے محسوس ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی بیٹیاں لاہور کالج فار ویمن میں تعلیم حاصل کر سکتی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے اگر سکول کا منہ دیکھا بھی تو

پانچویں جماعت تک۔ بعد میں ایف۔ اے کی "اعلیٰ تعلیم" سب نے نوکرانیوں کے بغیر گھر کو سنبھالتے، سچے شرعی پردے میں رہ کر پڑھتے اور پرائیویٹ امتحان دے کر حاصل کی۔ ان کی شادیاں بھی بڑے گھروں میں کی جا سکتی تھیں جن سے اثرورسوخ میں اضافہ ہوتا لیکن ان رشتوں کا واحد معیار دین کے انقلابی فکر سے ذہنی اور عملی ہم آہنگی کو رکھا گیا۔ یہ سب باتیں عاشقِ قرآن کی زندگی کے صرف ایک پہلو کے بارے میں ہیں۔ اس کی زندگی کا پورا نقشہ کھینچا ہو تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور ع ہم کہیں اور سنا کرے کوئی

ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے قوم کی محرومی پر، جس کے ارباب حل و عقد نے اس عاشقِ قرآن کا گلا گھونٹنے میں اپنی سی کوئی کسر نہ رہنے دی۔ اس آواز کو بند کر کے چھوڑا جو ملک میں ہی نہیں، سرحد پار کر کے سکھوں تک کے دلوں میں بھی گھر کر رہی تھی۔ وزارت اطلاعات کی وہ فائلیں آخر ایک روز تو کھلیں گی جن میں اخبارات کو لیفٹننٹ جنرل مجیب الرحمٰن کے "ڈائریکٹیوز" مقفل ہیں کہ اس شخص کی کردار کشی کی جائے یا پھر ذکر ہی نہ ہو۔ اعلیٰ ترین سطح پر کی گئی اس سازباز کا پردہ کبھی تو چاک ہو گا جو اس کے مقابلے میں بظاہر مماثل شخصیات کو کھڑا کرنے اور اسی کی طرح کے نظر آنے والے ادارے کھولنے کے لئے ہوتی رہی تاکہ کسی بہانے اس کی قرآنی دعوتِ انقلاب کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹے۔ زمانے کا چلن ہمیشہ ہی رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

کیسی گھٹیا سوچ تھی ان حیلہ سازوں کی۔ لیکن انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی ذات کا کیا بگاڑ لیا؟ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی نیت میں خالص اور اپنے ارادوں میں مستحکم رکھے۔ دنیا میں ستائش کی تمنا اور صلے کی آرزو نہ انہیں پہلے تھی اور نہ انشاء اللہ آئندہ کبھی ہو گی۔ انہیں حرص تھی تو یہ کہ قرآن کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے۔ اس کے لئے جو وسائل انہیں میسر ہیں، ان کا بھرپور استعمال کر رہے ہیں۔ وہ اپنا اجر کما لے جائیں گے اور کیسی قابلِ رشک ہے یہ کمائی!

(ماخوذ از شمارہ ۱)

انٹر کے طلبہ و طالبات کے لیے

اگر آپ نے اس سال انٹر کا امتحان دیا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ چھٹیاں ایسے بامقصد انداز میں گزاریں جس سے آپ کی صلاحیتوں کی تعمیر بھی ہو اور ساتھ ہی کوئی اسکالرشپ یا انعام جیتنے کا امکان بھی رہے! تو آیئے اور حسب ذیل مفید تعلیمی پروگراموں میں حصہ لیجئے!

۱۔ کل پاکستان تقابلہ مضمون نویسی برائے طلبہ و طالبات
۲۔ اسلامک جنرل نالج ورکشاپ برائے طلبہ

تفصیلات کے لیے بذریعہ فون یا بذریعہ ڈاک رابطہ کریں

ناظم نشر و اشاعت: مرکزی انجمن خدام القرآن
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ فون: ۸۵۳۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱

صاحبِ میزان

کوئی بولے تو اپنا بول پہلے ہم سے تلوائے

خواہ مخواہ در آمدی

لاہور کے ایک موقر اردو روزنامے میں ایک صاحب جنہیں معاملات دینی میں اپنے رسوخ پر بڑا مان ہے، ایک میزان نصب کئے یوں تن کے بیٹھے ہیں جیسے زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ زنہار! جو کوئی دین کے معاملے میں علم کا دعویٰ کرے، قبل اس کے کہ ہم سے اس کی سند حاصل کی جاچکی ہو۔ گویا ع

کوئی بولے تو اپنا بول پہلے ہم سے تلوائے

رمضان المبارک میں تراویح، ختمِ قرآن اور دورۂ ترجمہ قرآن کا غلغلہ ہوا تو انہیں یاد آیا کہ "اوہو! اس سارے سلسلے میں میری اجازت تو شامل ہی نہیں" ۔ پھر کمال مہربانی سے انہوں نے تراویح کی تو اجازت دے دی کہ گیارہ پڑھ لو (اہل حدیث دوست آٹھ جمع تین وتر ہی پڑھتے ہیں)، یا ۲۳ تک لے جاؤ (پاکستان میں اہلسنّت کے باقی مسالک کے لوگ بیس جمع تین پڑھتے ہیں) اور بہت ہی "اوکھے" ہو تو جاؤ اکتالیس پڑھو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کسی سخی سے واسطہ پڑا تھا۔ تاہم کسی خاص تعداد کو متعین کرنے کا پروانہ وہ ہرگز جاری نہ کریں گے کہ اس کے لئے دین میں کوئی بنیاد موجود نہیں۔ "خواہ مخواہ" کو دین کے علم میں بس شُدبُد ہی حاصل ہے لہٰذا ان کی دلیل کا کوئی توڑ تو اس کے پاس موجود نہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب سنی ہے کہ میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی۔ سو جب وہ دیکھتا ہے کہ گیارہ رکعت اور ۲۳ رکعت میں صرف تعین ہی موجود نہیں بلکہ پوری امت میں اس پر عمل کا تواتر بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کو پورے ماہ مبارک کی تراویح میں پورا پڑھنے اور بڑے اہتمام سے ختم کرنے کا طریقہ بھی ہمیشہ سے رائج چلا آرہا ہے تو وہ سخت پریشان ہو جاتا ہے کہ چودہ صدیاں، لوگوں نے خواہ مخواہ مشقت اٹھائی۔ کاش یہ میزان بہت پہلے نصب کی جاچکی ہوتی۔

ویسے صاحبِ میزان کا "لاسٹ نیم" اور "خواہ مخواہ" کے نام کا آخری حصہ ہم وزن اور ہم قافیہ ہے۔ عجب نہیں کہ وطن مالوف یعنی بلادِ عرب میں ہم دونوں کے قبیلے ایک دوسرے کے پڑوسی رہے ہوں۔ وہاں کا معمول بھی یہی سننے میں آیا ہے جو کچھ ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔ مسجد حرام ہو یا مسجد نبویؐ، دونوں جگہ تراویح کی بیس جمع تین رکعتوں کا تعین بھی ہے اور ان میں قرآن حکیم ختم کرنے کا دستور بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ گوئم مشکل وگرنہ گوئم مشکل۔ "خواہ مخواہ" کو خواہ مخواہ کی مصیبت میں ڈال کر صاحبِ میزان کو کیا ملا۔ وہ اگر یہ سمجھے کہ صاحبِ میزان ڈنڈی مار رہے ہیں تو مشکل اور اس نتیجے پر پہنچے کہ آج تک قال اللہ اور قال الرسول کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھنے والے سب لوگ دین کی بنیادوں سے ناواقفِ محض تھے تو مشکل۔

لیکن نہی عن المنکر تو دکھتی رگ کو چھیڑنا ہے جس سے گدگدی نہیں ہوتی، تاؤ آتا ہے

باقی ص۵۵ پر

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیوٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

آپ بے چاروں کے اعصاب پہ شورے ہے سوار

خواہ مخواہ درآمدی

سر راہے کسی بھلے آدمی کی حس شامہ کے استقبال کو جس کھلے "مین ہول" سے بدبو کا بھبکا اٹھے گا اسے وہ "گٹر" نہ کہے تو اور کیا کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر مین ہول "گٹر" نہیں ہوتا۔ سو اگر ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی موجودہ صحافت کو "گٹر" کہا تھا تو موقر روزنامہ نوائے وقت کے کالم نویس کو ان کی بات آج گالی بن کر کیوں لگی۔ کہیں اس کی وجہ یہی تو نہیں کہ ان کے چھوٹے بھائی 'اقتدار احمد سلمہ نے اسی شہر لاہور سے ایک صاف ستھرا ہفت روزہ نکال کر دکھا دیا۔ "خواہ مخواہ" بھی مسجد دارالسلام ہی ڈاکٹر صاحب کے خطبات جمعہ کا باقاعدہ سامع ہے۔ اسے معلوم ہے کہ صحافت کو یہ نام انہوں نے بہت پہلے دیا تھا اور اس وقت تک ان کے برادر خورد نے صحافت میں قدم نہیں رکھا تھا۔

لاہور میں اخبارات کا کون قاری نہیں جانتا کہ سنجیدہ قومی صحافت کے اس تالاب کے جل کو کس مچھلی نے گندا کیا۔ نوائے وقت سے تو ایک گلۂ محبت آمیز ہے کہ اس نے حمید نظامی مرحوم کی سی اصول پسندی اور استقامت سے کام نہ لیا اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اس کا گٹر بھی اُبلنے لگا اور "سر راہے" لکھنے والے معزز کالم نویس کو شاید یاد ہو کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے جب بھی اس موقر روزنامے کو مخاطب کیا تو ان کے تخاطب میں حسرت اور نیازمندی کے جذبات ملے جلے تھے۔ یہ معزز کالم نویس ڈاکٹر صاحب پر کچھ زیادہ ہی کرم فرما رہے ہیں لیکن وہ تو بہت پہلے سے اپنی دعوت کے اس مرحلے میں داخل ہونے کے انتظار میں تھے۔ مذاق 'ٹھٹھا مخول اور چٹکیوں میں اڑایا جانا اس راہ کا پہلا سنگ میل ہے جس پر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر چل نکلے ہیں۔ سر راہ چلتے پھرتے لوگ ہوں یا شیش محلوں میں بیٹھنے والے' شوق سے مشق ستم کریں' انہیں شکایت نہ ہو گی کیونکہ ع

جتنے وہ کرم فرماتے ہیں 'سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں

اپنے خطبات جمعہ میں ڈاکٹر صاحب ہر موضوع پر تو کھل کر نہیں بولتے البتہ جوق در جوق آ کر مسجد دارالسلام میں نماز ادا کرنے والوں کو دین کی حکیمانہ تعلیمات سے بھی روشناس کراتے ہیں اور کبھی کبھار ملک کے حالات پر اپنی رائے سے آگاہ بھی کر دیتے ہیں کہ انہیں بھی وطن کی اتنی ہی فکر ہے جتنی کسی اور بہی خواہ کو ہو سکتی ہے۔ وہ مروجہ سیاست کے میدان میں اترنے سے پرہیز کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے رمز و کنایہ اور داؤ پیچ سے واقف نہ ہوں۔ اصل سبب یہ ہے کہ وہ انقلابی سیاست کے قائل ہیں۔ پاکستان میں ضرورت نظام چلانے والے ہاتھ بدلنے کی نہیں 'خود نظام کو بدلنے کی ہے اور یہ تبدیلی انقلابی جدوجہد سے واقع ہو سکتی ہے' انتخابی سیاست سے نہیں۔ "خواہ مخواہ" نے بھی وہ خطبہ سنا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب نے پیر' پنڈت' پروہت اور پادری کا ذکر کیا۔ ان (سر راہے کے کالم نگار کے بقول) صفات کے حرف "پ" سے شروع ہونے اور "پ" کے عربی حروف تہجی میں موجود نہ ہونا محض ایک ضمنی بات تھی' ایک لطیفہ سمجھ لیجئے ورنہ بات تو انہوں نے بہت دل لگتی کہی تھی کہ ع کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے۔ (لیجئے "پردے" میں بھی وہی "پ" آ گئی۔ اب اس میں "خواہ مخواہ" کا کیا قصور!)۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اتنے نزدیک ہیں کہ سرگوشیاں بھی سنتے اور دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ کسی واسطے اور وسیلے کو درمیان میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں شرط

صرف یہ ہے کہ تم اپنی کہنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی بھی تو سنو۔ یہ لطیف نکتہ اگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا ہو اور وہ صرف "پ" کی گردان کو پنجاب بلکہ پاکستان تک بڑھا لے تو قصور کہنے والے کا نہیں' سننے والے کا ہے کہ وہ اسے "درفنطنی" قرار دے کر اپنی سوجھ بوجھ کا ثبوت دے ع

اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

رہی یہ بات کہ برادر خورد کو خود ڈاکٹر اسرار احمد نے صحافت کے "گٹر" میں کودنے کا مشورہ دیا تھا تو جہاں تک "خواہ مخواہ" کو علم ہے مشورہ تو نہیں دیا البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے ارادے میں آڑے نہیں آئے۔ شاید انہیں یہ اعتماد ہو کہ بقول کالم نگاران کا "مقتدی" (اور سرا ہے کا کالم نویس جگر تھام کے بیٹھے کہ مقتدی ہی نہیں "مرید") ۔ کا قلم اتنا منہ زور نہیں کہ جائز و ناجائز اور روا و ناروا کی سب حدیں پھلانگ جائے گا۔ اور حضور! یہ "جذبہ برخورداری" کسی کو کیوں برا لگے۔ آج بیٹا اپنے باپ کی نہیں سنتا' کوئی چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کا ایک نیک کام میں ساتھ دے اور اتباع کرے تو واقعی یہ اخباری شہ سرخی کا موضوع ہے' لیکن برا ماننے کی تو کوئی بات نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی شوریٰ لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف میں ڈالے دیتی ہے ع

آہ بے چاروں کے اعصاب پہ شوریٰ ہے سوار

ان اعصابی مریضوں سے اظہار ہمدردی ہی کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ "خواہ مخواہ" کا جی ان "تو کون؟ میں خواہ مخواہ" قسم کے حضرات سے یہ پوچھنے کو چاہتا ہے کہ بھائی! تنظیم اسلامی کی مجلس شوریٰ کے ارکان کے غم میں آپ کیوں دبلے ہوئے جاتے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا امیر جانے۔ ہاں ان میں سے کوئی آکر آپ کے ہاں پرچہ گزا لے کہ دوڑنا' لینا! ہمارے مشوروں کو نہ سنا جاتا ہے' نہ مانا جاتا ہے تو ضرور آپ ان کی مدد کو پہنچئے۔ آخر تو آپ خدائی فوجدار ہیں۔ آپ کے ملک میں' جماعتوں اداروں میں اور ہر سطح کی اجتماعیت میں شورائیت جیسے جاری و ساری ہے اور شیر اور بکری جس طرح ایک گھاٹ سے پانی پی رہے ہیں' اس کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے جو مشورے کی روح کو مجروح بلکہ مجروح سلطان پوری کرے۔ "خواہ مخواہ" کو تو اتنا پتا ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی مشہور عالم مجلس شوریٰ پر تو نوائے وقت کے کالم نویسوں نے کوئی "پوائنٹ آف آرڈر" نہیں اٹھایا تھا' ان کے پیٹ میں اگر مروڑ اٹھتا ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد کے شورائی نظام پر۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ بھلے مانسو! شورائیت کی شکل سب جگہ ایک سی نہیں ہوتی۔ ایک ملک کا شورائی نظام کسی تحریک کی مشاورت سے مختلف ہوتا ہے۔ تحریک میں نہ اقتدار و اختیار کی تقسیم کا مسئلہ ہوتا ہے' نہ منفعت اور فوائد میں سے حصہ لینے کا۔ جدوجہد' ابتلاء اور آزمائش سے گزرتی تحریکوں میں اور خاص طور پر ایسی اجتماعیت میں جو کسی ایک پکارنے والے کی پکار پر وجود میں آئی ہو ' پاسداریٔ مشاورت کے پیمانے جدا ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کو اس سے کیا؟ آپ تو یہ دیکھئے کہ پکارنے والے' پکار' پاسداری اور پیمانے میں پھر چار "پ" جمع ہو گئی ہیں!

(ماخوذ از شمارہ ۱۲)

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا

(الفرقان۔ ۳۰)

"قرآن کے نور سے منوّر ہر رات شب برات ہے"

ماہِ رمضان المبارک کے دوران قرآن اکیڈمی میں منعقد ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام پر تنویر قیصر شاہد کا ایک تاثراتی مضمون جو روزنامہ 'امروز' کی ۱۶ مئی ۸۸ء کی اشاعت میں طبع ہوا۔

یہ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کی مسجد ہے۔
۲۵ رمضان المبارک کی شب! عشاء کی اذان ہو چکی ہے موذن منادی کر چکا ہے کہ آجاؤ اللہ کی طرف تاکہ تم فلاح پا جاؤ اللہ کے بندے' مختلف مکاتب فکر و مسالک سے تعلق رکھنے والے جوق در جوق قرآن اکیڈمی کی طرف لپکتے چلے آرہے ہیں کوئی کار میں آیا ہے تو کوئی موٹر سائیکل پر سوار چلا آرہا ہے' پیدل آنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ذوق و شوق سے مغلوب ہو کر سبھی اللہ کے حضور حاضری دینے آرہے ہیں۔ باپردہ خواتین کی بھی ایک کثیر تعداد امنڈتی چلی آ رہی ہے۔ ان کے لئے علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد کا اندرونی وسیع ہال آہستہ آہستہ بھرتا چلا آرہا ہے۔ آخری صفیں بھی اب پر ہو چکی ہیں اب صحنِ مسجد کی صفوں پر نمازی قطار در قطار بڑے نظم کے ساتھ اکٹھے ہو رہے ہیں۔

عشاء کی سنتیں ادا کی جا چکیں تو تکبیرِ اقامت بلند ہوئی فرض نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی ہے۔ امام صاحب کی پرتاثیر پرسوز تلاوتِ قرآن مقتدیوں کے کانوں کو ہی متوجہ نہیں کر رہی دل میں گداز بھی پیدا کر رہی ہے۔ کیوں نہ ہو امام دو رکعتوں کا روایتی نہیں' ایک عاشقِ قرآن ہے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع ہو رہے ہیں۔ سب حاضرین اپنی پیشانیاں مسجودِ حقیقی کے حضور جھکا رہے ہیں۔

فرض عشاء ختم ہو گئے ہیں۔ سب مقتدی بقیہ سنت و نوافل کی ادائیگی میں کھڑے ہو گئے ہیں مسجد کا ہال مکمل طور پر بھر چکا ہے اور باہر صحن بھی لبالب ہے میں نوافل سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کے لئے باہر صحن میں آیا' جو نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے تنگیٔ دامن کا شکوہ کر رہا تھا۔ واپس مسجد کے ہال میں آگیا ہوں اور پھر رات کے پونے دس بجے کے قریب وہ داعی قرآن اپنے سادہ و سفید لباس میں ملبوس' اپنی سادہ اور درویشانہ مسند پر جم کر بیٹھ جاتے ہیں۔ سارے ہال اور صحن میں موجود سینکڑوں انسان بڑے سکون اور اشتیاق سے مسجد کی ان

اطراف میں پھیل جاتے ہیں جہاں قرآن حکیم کے بے شمار نسخے رکھے ہیں۔ لوگ باری باری قرآن شریف کا ایک ایک نسخہ اٹھا کر اپنی اپنی جگہوں پر بڑے مؤدب انداز میں بیٹھے چلے جا رہے ہیں۔ ایک ہجومِ عاشقاں ہے لیکن کیا مجال کہ کوئی ایک نفس بھی نظم و ضبط کی حدود کو پامال کر دے۔ بڑی محبت و ارادت کے ساتھ سینکڑوں انسانوں کے ہاتھوں میں مصحف کے نسخے ہیں۔ اور نظریں اس شخص پر مرکوز ہیں جو ان کے سامنے ایک چھوٹی سی چوبی تپائی پر بڑی تقطیع کا ایک قرآنی نسخہ کھولے بیٹھا ہے رنگ گہرا سانولا' داڑھی بھری ہوئی اور مصفا سفید بادل کی مانند! یہ مخدومی ڈاکٹر اسرار احمد ہیں جن کے انوکھے' منفرد اور دین کی حکمت کے عین مطابق انداز تراویح میں شرکت کے لئے یہ سینکڑوں انسانوں کا ہجوم یہاں امنڈ آیا ہے۔ سب کے دلوں میں ایک ہی جوت جگی ہے۔ سب ایک ہی آرزو سے مغلوب ہیں۔ یہ جوت' یہ آرزو کیا ہے؟ قرآن کو سمجھا جائے مقدور بھر' اپنے اپنے ظرف کے مطابق یہ جوت خود ڈاکٹر اسرار احمد نے ہی ان کے دلوں میں جگائی ہے۔ یہ کرشمہ ان کے اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ لوگ ساری ساری رات' سحری کے وقت تک' یہاں قرآن ایک ایسے شخص کی زبانی سنتے آتے ہیں جس کے نام کے ساتھ بھاری بھرکم القابات نہیں۔

ساری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں اور اسلامی اقدار اور اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزارنے کی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی وہاں وہاں تراویح میں قرآن سنایا جاتا ہے۔ تراویح میں قرآن سننے اور سنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ قرآنی احکام جو اللہ نے مسلمانوں کے لئے نازل فرمائے ہیں۔ ان کی تجدید ہو جائے بھولا ہوا سبق پھر سے یاد ہو جائے کہ قرآن نازل بھی اسی ماہ میں ہوا تھا' لیکن افسوس کہ اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے سے آج کل پورے عالم اسلام کے ایک بڑے حصے میں محض یہ مراد لی جا رہی ہے اور بہت عرصہ لی جاتی رہی کہ بس قرآن حفاظ نے یاد کر لیا اور رمضان شریف کے مہینے میں مقتدیوں کو سنا دیا۔ حفاظ کی ایک کثیر تعداد بھی واقف نہیں' مقتدیوں کی عظیم اکثریت بھی نہیں جانتی کہ جن آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کی جا رہی ہے' ان کے مطالب کیا ہیں' ان میں معرفت و حکمت کے کیسے کیسے موتی پروئے گئے ہیں' احکام ہیں تو کیا کیا؟؟ بس ایک مشین کی طرح حفاظِ کرام کی زبان چلتی ہے اور لوگ رکوع و سجود کر کے واپس گھروں کی راہ لیتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ہماری بستیوں کے گلی کوچے اللہ کے کلام سے گونجتے تو رہتے ہیں۔ ثواب بھی بہر حال اس عبادت کا ضرور ملتا ہے لیکن یہ رکوع و سجود اور سماعتِ قرآن روح سے خالی اور اسی نسبت

سے افادے میں بھی کم ہی رہتی ہے۔ قرآن مجید سے بجوری ایک بہت بڑی کمی تھی لیکن الحمد اللہ کہ خدا نے اپنے بندے ڈاکٹر اسرار احمد کو یہ توفیق ارزان فرمائی کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا کہ رمضان شریف کے دوران تراویح میں قرآن لوگوں کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ یوں سنایا جائے کہ بھولے ہوئے سبق کی ایک بار پھر دہرائی ہو جائے۔ کام بڑا کٹھن' صبر آزما اور مشکل تھا لیکن ان کی دعوت پر جو سراسر اخلاص پر مبنی تھی' لوگوں نے لبیک کہی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے بے شمار پروانے ان کے گرد جمع ہونے لگے' ان کے کان قرآن کے روحانی نغموں کے لئے گویا ترسے ہوئے تھے۔

قرآن کے بھولے سبق کو پھر سے یاد کرنے اور اس سے آشنائی حاصل کرنے کے لئے آج شب بھی قرآن اکیڈیمی میں محترمی ڈاکٹر اسرار احمد کے ارد گرد قرآن کے متوالوں کا ایک ابنوہِ کثیر جمع تھا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کھنک دار آواز میں اعلان کرتے ہیں آج چھبیسویں پارے کی سورۂ ق سے آغاز کیا جائے گا لیکن اس سے قبل انہوں نے گزشتہ شب پڑھی گئی سورت کا خلاصہ بیان فرمادیا تاکہ آج کی سورت کے مضامین سے ربط قائم ہو جائے۔ اسلامی ریاست' اسلامی معاشرہ اور شہری حقوق اس کے بڑے بڑے موضوعات ہیں۔ لوگ ہمہ تن گوش ہیں۔ ایک ایک لفظ' ایک ایک فقرے کو حرزِ جاں بنا رہے ہیں اور پھر سورۂ ق کا آغاز ہوتا ہے ہر طرف قرآن کھل گئے۔ بعض لوگوں نے چھوٹی چھوٹی نوٹ بکس بھی نکال لی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی پر خلوص اور پاٹ دار آواز میں قرآن کے پر شکوہ اور عظیم الفاظ رواں ہو گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ ہو رہا ہے جہاں جہاں ضروری سمجھتے ہیں' آیاتِ مبارکہ کی شان نزول اور تھوڑا سا تاریخی پس منظر بھی بتاتے جا رہے ہیں تاکہ سامعین کو قرآن سے مناسب طور پر مستفید ہونے کا موقع مل سکے۔ ان کا لب و لہجہ صاف اور واضح ہے۔ ہر آدمی کو پوری بات واضح طور پر سنائی دیتی اور مقدور بھر سمجھ میں آ رہی ہے۔ بعض مواقع پر تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر صاحب توقف کرتے ہیں۔ یہ ان کی گفتگو کی مخصوص علامت ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب وہ کوئی خاص بات کہنے والے ہیں جس کی طرف گہری توجہ کی ضرورت ہے۔ سب حاضرین ان کے مزاج سے آشنا ہیں' اس لئے سبھی ہمہ تن گوش' نظریں ان کے چہرے پر گاڑے ہوئے ان الفاظ کو غور سے سننے کو زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے ہیں کہ مبادا یہ قیمتی الفاظ ان تک پہنچنے سے رہ نہ جائیں۔ بعض اوقات یہی الفاظ جو ڈاکٹر صاحب کے گہرے تدبر و تفکر کا نتیجہ ہیں' سامعین کو بھی زیرِ نظر سورۃ کا حاصل اور مرکزی خیال محسوس

ہوتے ہیں۔

سورۂ "ق" ختم ہو گئی ہے۔ لوگ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اٹھتے ہیں اور اپنے اپنے قرآن شریف اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ان کی مخصوص جگہ پر رکھ رہے ہیں' کوئی بد نظمی نہیں' کوئی شور نہیں۔ صفیں ترتیب میں کھڑی ہو گئی ہیں۔ اب چار رکعت تراویح میں حافظ صاحب قرآن مجید کا جو حصہ پڑھیں گے' وہی ہے جس کا ترجمہ' مختصر تفسیر اور جس میں مستور حکمت و دانائی ڈاکٹر صاحب پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ اب جو قرآن پڑھا جانے لگا ہے' وہ مقتدی سامعین کے لئے اجنبی اور سر کے اوپر سے گزر جانے والا نہیں کہ ترجمہ پہلے سنا جا چکا ہے اب تفہیم میں آسانی ہو گئی ہے اور رب ذوالجلال کے محکم کلام کو سمجھنے کا حق بھی ایک حد تک ادا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حافظ صاحب کا ٹھہر ٹھہر کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا انداز بڑا ہی دلکش ہے۔ وہ بھی ایک ایک لفظ کو اس کی پوری معنویّت اور شکوہ کے ساتھ ادا کرنے کی کامیاب کوشش کر رہے ہیں۔ مقتدیوں میں اکثریت پڑھے لکھے لوگوں کی ہے' ترتیلِ قرآن کا صحیح لطف بھی یہی لوگ اٹھا رہے ہیں۔

چار تراویح ختم ہو گئی ہیں۔ اب پھر قرآن کھل گئے ہیں' ڈائریوں کے اوراق وا ہو گئے ہیں۔ ترجمۂ قرآن پر سر دھنے جا رہے ہیں اور لوگ بھی جنہیں آج پہلی بار یہاں آنے کا موقع ملا ہے' کفِ افسوس مل رہے ہیں کہ رمضان شریف کے پہلے دن ہی یہاں کیوں نہ آ گئے!! جہاں جہاں اللہ کی رحمتوں کا تذکرہ آ رہا ہے' سبحان اللہ سبحان اللہ کے ورد سے لب تر ہو جاتے ہیں اور جہاں وعید آتی ہے' آنکھیں خشیت الٰہی سے نم آلود ہو جاتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہی مقصدِ سماعِ قرآنی ہے جو ہم نے پس پشت ڈال رکھا تھا۔ سوچتا ہوں اللہ نے اپنے بندے کو کیسی قابلِ رشک توفیق سے نواز ہے کہ خود بھی قرآن پڑھتا ہے سمجھتا ہے' سمجھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے' قرآن سیکھتا ہے اور بغیر کسی معاوضے' لالچ اور دنیوی منفعت کے لوگوں کو بھی قرآن سکھاتا ہے' سمجھاتا ہے اور کتابِ مبین سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے۔ "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھانے کی کوشش کرتا ہے"۔ ڈاکٹر صاحب کی زبانی ترجمہ قرآن جس سلیس اور عام فہم انداز میں ادا ہوتا ہے اسی کے باعث بعض آیات مبارکہ تو یوں لگتی ہیں جیسے سننے والوں پر ان کا نزول آج ہی ہوا ہے اور خاص انہی کے لئے ہوا۔ شاید یہی اعجاز قرآن ہے اور مولانا رومؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ قرآن ان لوگوں کو

سمجھاناجواس سے شناسانہیں بلاشبہ ایک کٹھن مرحلہ ہے' اس کے لئے گہرے تدبر' صبر' حوصلے اور اپنے معاشرے کی ذہنی حالت پر آ کر بات کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ گویا ایک عالمِ دین جس نے معاشرے میں اسلامی انقلاب بپا کرنے کا عہد کیا ہو' اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ پائے کا مدبر' صابر' حوصلہ منداور ماہر نفسیات ہو۔

تراویح کی پہلی آٹھ رکعتیں ختم ہو گئی ہیں قرآن الماریوں اور علیحدہ جگہوں پر رکھے گئے بنچوں پر ادب سے رکھ دیئے گئے ہیں۔ اب پندرہ منٹ کا وقفہ ہے لوگ مشروبات وماکولات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ چائے کا انتظام اکیڈیمی کی طرف سے بھی کیا گیا ہے لوگ بڑے منضبط انداز میں شائستگی سے چائے وغیرہ پی رہے ہیں۔ خوشحال طبقہ گھر ہی سے تھرمسوں وغیرہ میں چائے اور شربت کا انتظام کر کے لایا ہے۔ گھروں سے لائی ہوئی خوردونوش کی چیزیں ایک دوسرے میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ کیسی دلکش محفل ہے کیسا دلفریب اور روح افزا منظر ہے۔ میری نظروں کے سامنے ان محفلوں کا نقشہ پھر رہا ہے جن میں رونق صرف ذکر الٰہی سے ہوتی تھی وہ لوگ یاد آ رہے ہیں جن کا اوڑھنا۔ بچھونا تعلیمات قرآنی تھیں' جن کی زندگیاں قرآنی تھیں' جن کی زندگیاں قرآنی تعلیمات کا چلتا پھرتا مرقع تھیں۔ مجھے یہاں ہال میں' ہال سے باہر بچے بھی نظر آ رہے ہیں۔ جو اپنے والدین کے ساتھ اس نورانی مجلس میں آئے ہیں۔ یقین واثق ہے انشاءاللہ جب یہ پورے تناور درخت بن جائیں گے تو ان کی زندگیوں میں بھی قرآن کسی نہ کسی درجے میں ضرور موجود ہو گا انہیں اسلامی معاشرے کے صالح نوجوان بنایا جاسکتا ہے۔

صحن مسجد کے کونے میں مجھے ایک مرد ضعیف نظر آیا ساٹھ ستر اوپر عمر ہو گی' میں قریب گیا اور سلام عرض کیا انہوں نے بڑی شفقت سے سلام کا جواب دیا اور مجھے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا' چھوٹے سے چینی مگ میں وہ چائے نوش کر رہے تھے۔ ہاتھ تھوڑے تھوڑے کانپتے جسم کی جلد ہڈیوں کا ساتھ چھوڑ کر لٹک رہی تھی آنکھوں کے نیچے گوشت کی ننھی ننھی تھیلیاں تھیں لیکن چہرے پر ایک نورانی جلال تھا۔ میں نے ادب سے کہا "بزرگوارم! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"جھنگ سے۔"

"جھنگ سے؟ اتنی دور سے خاص اسی مقصد سے؟"

"جی جھنگ سے آیا ہوں۔" وہ بولے اور یہاں ایک رشتہ دار کے ہاں قیام پذیر ہوں'

چندروز گزرے تھے کہ میرے ایک شاگرد نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تراویح کے منفرد انداز کا ذکر کیا۔ بس یہی سن کر یہاں آگیا ہوں اور جو امیدیں لے کر آیا تھا ان سے کہیں زیادہ پایا۔ بزرگ تھوڑی دیر کے لئے رکے' کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چائے کی ایک چسکی لی اور بولے۔

" بیٹے! میں گیارہ سال سے ایک گورنمنٹ ڈگری کالج کا پرنسپل رہا ہوں' برسوں کمیونزم کے جال میں پھنسا رہا۔ جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں بڑی ٹھوکریں کھائیں ریٹائرمنٹ سے چند سال قبل لندن میں تھا کہ ایک یہودی انگریز کی ایک چھوٹی سی بات سے میرے کمیونسٹ وجود سے اصلی مسلمان کھمبی کی طرح نکل آیا بس اسی دن سے واپسی کا سفر شروع کر لیا تھا اپنے اصل کی طرف! تھوڑا عرصہ پہلے میں نے ڈاکٹر صاحب کی مختصر مگر نہایت مؤثر کتاب "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" پڑھی اور میرے تو گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔ میں نے نہ جانے کتنی مرتبہ اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھا ہے رمضان شریف شروع ہوا تو اپنے شاگرد کے کہنے پر یہاں چلا آیا وہ ڈاکٹر صاحب کے حلقے میں شامل ہے۔ "

اتنے میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب اپنی مسند پر تشریف لے آئے تھے۔ میں نے بھی بھاگ کر قرآن مجید اٹھالیا۔ رات کا نصف حصہ گزر چکا تھا' شب کی جوانی ڈھلنے پر آ رہی تھی اس پرسکون ماحول میں ڈاکٹر صاحب کی پر شکوہ آواز میں قرآن کے ایمان افروز ترجمے کی گونج پوری فضا میں تیر رہی تھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ تین چار گھنٹے مسلسل اور وہ بھی روزانہ بلاناغہ قرآن کے مشکل مقامات اور دقیق متن پر اس روانی سے گفتگو کرتے ہیں جیسے دوستانہ ماحول میں ٹیبل ٹاک کر رہے ہیں' ان کی استقامت کی داد دیئے بغیر انسان نہیں رہ سکتا۔ آواز جس طرح رات دس بجے گونجتی تھی' اب آدھی رات کے بعد بھی اس میں شمہ برابر فرق نہ آیا تھا۔ ان کے صاف اور واضح اندازِ تکلم و تخاطب میں قرآن کا ابدی نغمہ ہر دل پر ویسے ہی نازل ہوتا محسوس ہوتا جیسے علامہ اقبال نے فرمایا۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحبِ کشاف

حاضرین کے چہرے بھی تر و تازہ ہشاش بشاش اور تھکن کے آثار سے عاری شمع محفل اگر پوری طرح ضوفشاں رہے تو پروانوں کی وارفتگی میں کیسے اور کیونکر کمی آ سکتی ہے؟ بعض لوگوں پر دن کی مصروفیات کے باعث غنودگی طاری ہونے لگتی ہے تو بھاگ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر

آتے ہیں اور پھر پوری توجہ سے سماعت قرآن میں محو ہو جاتے ہیں۔

صبح کاذب کے آثار ہویدا ہونے لگے ہیں۔ سورۂ رحمان جسے حضورؐ نے عروس القرآن کا خوبصورت لقب عطا فرمایا' کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

"تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

گھڑی کی سوئیاں صبح کے سوا دو بجے کا اعلان کر رہی ہیں۔ قرآن اکیڈمی میں پچیسویں روزے کی تراویح چار ساڑھے چار گھنٹے کے بعد ختم ہو گئی ہیں۔ لوگ گھروں کو جانے لگے ہیں۔ میں بھی باہر نکلا۔ یوں لگا جیسے لوگ عید کی نماز پڑھ کر واپس جا رہے ہوں۔

گھر واپس آتے ہوئے راستے میں مجھے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی بات بڑی یاد آ رہی تھی۔ فرماتے ہیں۔ "میں چھوٹا سا تھا۔ صبح صبح روزانہ قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔ ایک روز والد صاحب آئے اور فرمانے لگے تمہیں ایک بات بتاؤں گا۔ خاصے دن گزر گئے ایک روز جبکہ میں تلاوت قرآن میں مگن تھا' والد صاحب میرے پاس آئے اور بولے۔ بیٹا! قرآن پڑھتے ہوئے خیال کرو کہ یہ بس تم پر نازل ہو رہا ہے۔"

شیخ نور محمد اپنے فرزند ارجمند کو جو نصیحت کرنا چاہتے تھے' اس کی عملی تفسیر میں قرآن اکیڈمی میں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ یہ نور کی ایک بہتی گنگا تھی۔ فیضِ عام جاری تھا اور صلائے عام تھی کہ جو چاہے آ کر فائدہ اٹھائے۔

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

السمع والطاعة

على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

Seiko
BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پُرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S
SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

* * * *

فون: ۲۰۲۱۶۶

آصف آٹوز

AA

امپورٹر، ہوز کلمپ آئل گیج، ٹمپریچر گیج، ہارن اینڈ شو لائٹ چائنہ

۶ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور

ہول سیل ڈیلر: اے ون آٹو کیبلز

افغانستان کی عبوری حکومت کے سربراہ کی ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات

تنظیم اسلامی کے شعبہ نشرواشاعت کی جانب سے اخبارات کے لیے جاری کردہ اطلاع

لاہور : ۲۰ مئی ۔ آزاد اسلامی افغانستان کی عبوری حکومت کے سربراہ جناب احمد شاہ احمد زئی نے آج لاہور میں امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد سے ایک خصوصی ملاقات میں احیائے اسلام اور افغانستان میں ایک مثالی دینی ریاست کے قیام پر تبادلۂ خیال کیا ۔ جناب احمد شاہ عرب ممالک کے دورے سے واپسی پر آج علی الصبح دوبئی سے لاہور پہنچے اور ائیرپورٹ سے ہی انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد سے رابطہ قائم کرلیا تھا ۔ چنانچہ صبح چھ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک وہ ڈاکٹر اسرار احمد اور ماڈل ٹاؤن میں ان کی قرآن اکیڈمی کے مہمان رہے اور نو بجے کی فلائٹ سے پشاور روانہ ہوگئے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے جناب احمد شاہ کو مجاہدین کی طویل اور صبر آزما جدوجہد پر ہدیۂ تبریک پیش کیا اور امید ظاہر کی کہ ان کی قیادت میں افغانستان کا پورا علاقہ بہت جلد ایمان ولقین اور جذبۂ جہاد سے سرشار افغانوں کے زیرنگیں ہوگا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے آغاز کا شرف شاید اسی خطے کے نصیب میں ہے۔ انہوں نے اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ افغانستان میں اسلامی ریاست کے قیام سے پاکستان میں حقیقی دین کے غلبے کے لئے کام کرنے والوں کو تقویت ملے گی تاہم یہاں بھی دین کے خادموں کا یہ فرض ہے کہ اپنی کوششوں کو تیز تر کردیں اور اپنے افغان بھائیوں کی نہ صرف ہر طرح کی اخلاقی ومادّی مدد کریں جس کی ضرورت اگلے مرحلے میں انہیں زیادہ محسوس ہوگی جب امریکہ "بنیاد پرست" اسلام کو جڑ پکڑتا دیکھ کر اپنا ہاتھ کھینچ لے گا ۔ بلکہ پاکستان میں بھی دین کے لئے انقلابی جدوجہد کے ذریعے جوابی طور پر ان کی تقویت کا باعث بنیں ۔ انہوں نے جناب احمد شاہ کو علامہ اقبالؒ کا فارسی کلام بھی پیش کیا جس میں اس نظم کی طرف انہوں نے اپنے مہمان کی توجہ خاص طور پر مبذول کرائی جس میں علامہ نے جمال الدین

افغانی کی زبانی روس کو ایک معنی خیز پیغام دیا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں سے بھی کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کو ایک زندہ کتاب سمجھیں اور اسی کی انقلابی فکر کو تبدیلی کا ذریعہ بنائیں۔

جناب احمد شاہ نے قرآن اکیڈمی جیسے اداروں کی ضرورت پر زور دیا جن کی رہنمائی انہیں ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کے دوران قدم قدم پر محسوس ہوگی کیونکہ بقول ان کے طویل جہاد کے معرکے شب و روز سر کرتے ہوئے انہیں اس بات کا موقع نہیں ملا کہ ایمان کی منادی اور دعوت جہاد کو عام کرنے کے علاوہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اسلامی نظام کے لئے تحقیقی کام کی ابتدا بھی کر سکیں۔ اس کے لئے وہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتوں اور اجتہادی کوششوں میں مصروف دین سے مخلص اداروں کے تعاون کے محتاج ہیں۔ انہوں نے اس امکان کو بالکل رد کر دیا کہ وہ روسیوں یا ان کے حواریوں کو شمالی افغانستان میں کیمونزم کا کوئی اڈہ باقی رکھنے کا موقع دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ان کا جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ان کے ملک کا ایک انچ بھی اغیار کے زیر اثر ہے۔ بلکہ وہ تو روس کے شکنجے میں ساٹھ سال سے گرفتار ان علاقوں تک بھی رسائی کریں گے جو ماضی میں مسلمانوں کی تہذیب کا گہوارہ اور دین کے علوم کا مرکز رہے ہیں۔

ملاقات کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس مرد کہستانی میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صرف نام کی مشابہت ہی نہیں پائی جاتی، اسلام کے لئے مر مٹنے کا وہی عزم اور حوصلہ بھی موجود ہے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ احمد شاہ احمد زئی ہوں یا گلبدین حکمت یار یا ان کا کوئی اور ساتھی، مستقل انتظامات کے بعد جس کسی کے کاندھوں پر افغانستان کی ایک اسلامی ریاست کے طور پر تعمیر نو کی ذمہ داری کا بوجھ آیا، ہماری توقعات اس سے یہی کچھ ہوں گی اور ہماری دعائیں اور عملی تعاون سب کے لئے یکساں ہوگا۔

یاد رہے کہ جناب احمد شاہ احمد زئی پچھلے دنوں بھی ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے لاہور آنے اور محاضرات قرآنی میں شرکت کی خواہش رکھتے تھے لیکن جنیوا سمجھوتے کی پیش رفت اور متعلقہ مسائل میں حد درجہ انہماک کے باعث اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ وہ ڈاکٹر اسرار احمد کی انقلابی دعوت اور بیعت سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بنیاد پر جماعت سازی سے حال ہی میں واقف ہوئے اور بعد میں اگرچہ ان کی باہم دو سرسری ملاقاتیں ہوئیں تاہم وہ ایک خصوصی نشست اور تفصیلی گفتگو کی ضرورت تا حال محسوس کر رہے تھے۔

●●●●●●

ملکی اور بین الاقوامی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں

تنظیمِ اسلامی کی قراردادیں

——— مرتب: اقتدار احمد

تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس مشاورت نے جس کا باقاعدہ اجلاس امیر تنظیم 'ڈاکٹر اسرار احمد' کے زیر صدارت تین دن جاری رہا' تنظیم کی رفتار کار اور آئندہ کام کے نقشے پر سوچ بچار کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی سیاسی صورت حال کا جائزہ بھی لیا اور گہرے غور و خوض کے بعد درج ذیل قرار دادیں اتفاق رائے سے پاس کیں۔

۱ - افغانستان میں آٹھ سال سے جاری جہاد میں اگرچہ ایسے لوگوں نے بھی حصہ لیا جن کا محرک جذبۂ حریت اور دفاع وطن تھا تاہم ان کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو پہلے سے ہی اپنے ملک میں دین کے غلبے کی غیر مسلح جدوجہد میں مصروف تھے اور جنہوں نے کفر و الحاد کی اس تازہ یلغار کو روکنے کے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کے مطابق اول الذکر لوگوں کی جدوجہد کو بھی جہاد اور اس میں جانیں دینے والوں کو شہید قرار دیتے ہیں تاہم مؤخر الذکر مجاہدین نے قتال فی سبیل اللہ کا اعلیٰ و ارفع اعزاز حاصل کیا اور ان کے شہداء کا مرتبہ قابل رشک ہے۔ تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس مشاورت محسوس کرتی ہے کہ ان کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ انہیں نہ صرف دشمن کے حواریوں کو اپنے ملک سے نکالنا ہے بلکہ وہاں ایک مثالی اسلامی ریاست بھی قائم کر کے دکھانی ہے جس کے خطوط ان کے اعلان کردہ مجوزہ ملکی آئین سے واضح ہوتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی جدوجہد کے اس مشکل تر مرحلے میں اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں' ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور امداد و اعانت کی جو شکل بھی ہمارے لئے ممکن ہوئی اسے ان تک پہنچانے میں ہم دریغ نہ کریں

ے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ان کی جدوجہد پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے ہماری کوششوں کی تقویت کا باعث بنے گی اور ہماری حقیر کوششیں انشاء اللہ ان کے لئے سہارا ہوں گی۔

۲ - پاکستان کی شہ رگ، کراچی میں آئے دن کی خوں ریزی کے پس منظر میں مہاجر قومی محاذ اور پنجابی پختون اتحاد کے مابین مفاہمت کو تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس مشاورت ایک نیک فال قرار دیتی ہے اور دونوں گروہوں سے درخواست کرتی ہے کہ اب وہ اپنی صفوں میں موجود شرپسندوں کی سرکوبی پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ ان ملکی و غیر ملکی تخریب کاروں پر بھی کڑی نظر رکھیں جو اچانک فساد کی آگ بھڑکا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ امن و امان برقرار رکھنے میں صوبائی انتظامیہ کی ناکامی تو شک و شبہ سے بالا ہے تاہم یقین کیا جا سکتا ہے کہ اگر باشعور شہری خود چوکس رہنے کا فیصلہ اور عزم کر لیں تو مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہنے کا یہ نامسعود سلسلہ خاتمے پر آ سکتا ہے جو عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں توبہ اور رجوع الی اللہ کی ایک مہم بھی چلانی چاہئے جو ہمارے مسائل کا اصل حل اور سارے امراض کا شافی علاج ہے۔

۳ - تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس مشاورت سندھ کے حالات پر گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے۔ وہاں بے چینی کا لاوا بدستور پک رہا ہے جس میں اضافے کے لئے تو بہت سی قوتیں مصروف عمل ہیں لیکن ازالے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ تنظیم اسلامی سندھ کے اسلام دوست عوام سے اپنی استطاعت کی حد تک رابطے بحال رکھنے کی کوشش کر رہی ہے اور اسی کا مشورہ سب محبِ وطن جماعتوں کو دیتی ہے، تاہم کرنے کا اصل کام حکومت کے بس میں ہے۔ ہماری تشویش اس مشاہدے سے دوچند ہو جاتی ہے کہ حکومتِ وقت اس طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ باب الاسلام سندھ کی شکایات دور کرنے کی غرض سے بلا تاخیر سیاسی اور جماعتی بنیادوں پر عام انتخابات کرائے جائیں تاکہ عوام کے حقیقی نمائندے مل بیٹھ کر شکایات کی حقیقت اور ان کا قابل قبول اور ممکن العمل حل تلاش کریں۔ اس کام میں جتنی دیر ہوئی، ملکی سالمیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کا باعث ہوگا

۴ - تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس مشاورت جسدِ ملت کے دکھتے ہوئے

عضو، فلسطین کا درد محسوس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس کے درماں کی دعا کرتی ہے اور ایک طرف پاکستان سمیت دنیا کی سب مسلمان حکومتوں کو یاد دلانا چاہتی ہے کہ اگر آج انہوں نے امت کے ایک حصے کے مصائب و شدائد پر بے حسی اور خاموشی کا رویّہ اختیار کیا تو کل کسی دوسرے حصے پر بھی افتاد پڑ سکتی ہے اور یہ کہ اگر وہ محض رسمی طور پر نہیں بلکہ مل جل کر دنیا کی بڑی طاقتوں پر واقعی زور ڈالیں تو صیہونیوں کو ان کی بہیمانہ حرکتوں سے باز رکھا جا سکتا ہے' تو دوسری طرف اپنے مصیبت زدہ فلسطینی بھائیوں سے توقع رکھتی ہے کہ وہ بھی اپنی سعی و جہد اور بعض عالمی طاقتوں پر تکیہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں تو رنج و الم کی یہ چٹان سرک جائے گی اور اس کا جواجر انہیں آخرت میں ملے گا وہ خالص نفع ہو گا۔

۵ - تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت بھارت میں آئے دن بھڑک اٹھنے والے ان فرقہ وارانہ فسادات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے جن میں مشقِ ستم ہمیشہ مسلمان بنتے ہیں۔ مجلس کا دکھ یہ محسوس کر کے اور بڑھ جاتا ہے کہ اہلِ پاکستان آزادی کے ثمرات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے اٹھاتے یہ بات بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں کہ یہ نعمتیں انہیں جن لوگوں کی قربانیوں کے طفیل میسر ہوئیں ان کا ایک قابل لحاظ حصہ اب تک یرغمالی ہے۔ ہم اس حقیقت پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ اگر پاکستان میں صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آ گیا ہوتا تو بھارت میں رہ جانے والے مسلمان اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہ سمجھتے اور عالمِ بے بسی میں یوں غارت گری کا شکار نہ ہوتے۔ بھارتی مسلمانوں کے مصائب و آرام ہمیں اپنے اس ارادے میں مزید پختہ کرنے کا باعث بنتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کو تیز تر کیا جائے۔

عَنِ الحَارِثِ الاشعری، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،

"اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ

بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰہِ"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقہ، تاثیر اور معیار میں لازوال۔
رُوحِ پاکستان۔ رُوح افزا
راحتِ جان۔ رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے
ADARTS
HMD-6/87

افہام وتفہیم

اقتدار احمد

ایک خط اور اس کا جواب

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب • اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبر کاتہ!

اپریل ۸۸ کا میثاق پورا ایک ماہ لیٹ ملا۔ بلکہ مارچ' اپریل اور مئی کے شمارے اکٹھے موصول ہوئے اس میں معلوم نہیں ادارے کی سستی ہے یا آپ کے رفیق تنظیم کی بہرحال اپریل کے شمارے سے حسب عادت "عرض احوال" پہلے پڑھنا شروع کیا اس سے قبل بھی کئی شماروں میں میرے لئے وضاحت طلب امور تھے لیکن اس بار آپ نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ میری تحریر میں اگرچہ کچھ بھی قوت نہیں لیکن پھر بھی میرے جذبات واحساسات کی ترجمانی ضرور ہوگی۔

عرض یہ ہے کہ "عرض احوال" میں ایک ایسی بات سامنے آئی کہ جسے پڑھ کر میرا دل خون کے آنسو رویا کہ "ڈاکٹر صاحب نے جمعہ کے ایک خطبہ میں اسلامی جمعیت طلبہ کے خاک وخون میں غلطاں ہو جانے والے نوجوانوں کی شہادت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ جان ہارنے والے تو اپنی نیت کے مطابق اجر کی مراد انشاء اللہ ضرور پائیں گے تاہم منکرات کے خلاف جہاد میں بہایا جانے والا خون رائیگاں جا رہا ہے۔ یہ جماعت اسلامی کے سیاسی کھیل کو رنگین بنانے سے بڑھ کر کوئی نتیجہ بر آمد نہیں کر رہا"

میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کو رنج وغم کرنے کے لئے کس نے مجبور کیا تھا۔ ایک طرف آپ انہیں شہید کا درجہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف ان کے خون کو رائیگاں کہہ رہے ہیں۔ آپکا شمار ماشاء اللہ ملک کے صف اول کے اہل علم اور دانشور حضرات میں سے ہوتا ہے کیا آپکی نظر میں ایک شہید کا خون رائیگاں چلا جاتا ہے۔ اگر ایک نوجوان کے ذریعہ کسی تعلیمی ادارے میں انقلاب آجائے وہاں سے برائیاں بوریا بستر لپیٹنے لگیں وہاں سے رقص وسرور کی محفلوں کا خاتمہ ہو جائے وہاں طوائفوں کا آنا جانا بند ہو جائے اگر ایک

نوجوان کے ذریعہ کئی اور نوجوان اسلامی انقلاب کے شیدائی ہو جائیں تو میرے خیال میں یہ سودا مہنگا سودا نہیں۔

دنیا کے عارضی مستقبل کو داؤ پر لگا کر اگر مستقبل تابناک ہو جائے تو یہ جدوجہد ضائع تو نہیں ہوئی۔ اگر اس دنیا میں ڈاکٹر نہ بن سکے تو ان نوجوانوں کے لئے آخرت میں بلند درجات ہیں۔
براہ کرم اس پر ذرا تفصیلاً روشنی ڈالیں اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ " جماعت اسلامی کے سیاسی کھیل کو رنگین بنایا جارہا ہے " تھوڑی سی اسکی بھی وضاحت فرمائیں کہ اس سے بذات خود " جماعت اسلامی " کو کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں تو یہی فائدہ ہے کہ اس کے نوجوان ابدی زندگی میں سرخرو ہو رہے ہیں ورنہ دنیاوی لحاظ سے کسی بھی جماعت کے نوجوانوں کے سروں کی فصلیں کٹنے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ محترم میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اپنے سیاسی کھیل کو رنگین بنانے کی خاطر (لیکن آپ کے لئے تو سیاست شجر ممنوعہ ہے) یا اپنی تنظیم میں چمک دمک پیدا کرنے کی خاطر اپنے کسی بیٹے کا خون بہانا پسند فرمائیں گے اور وہ بھی جو رائیگاں جارہا ہو۔

براہ کرم اپنی انتہائی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ان گذارشات کی وضاحت فرمائیں۔ نوازش۔ امید کرتا ہوں کہ میثاق کے ذریعہ ہی انکا جواب مل سکے گا لیکن اگر آپ یہ کڑوی کڑوی باتیں دل کو چبھنے والی گذارشات شائع نہ کرنا چاہیں تو براہ راست ضرور لکھیں۔
والسلام ' دعا گو اور دعاؤں کا طالب نذیر احمد کمبوہ

جوابی مکتوب

جناب کمبوہ صاحب وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا گرامی نامہ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نام موصول ہوا۔ آپ نے "عرض احوال" کے بعض مندرجات کی وضاحت مکتوب الیہ سے طلب کی ہے۔ در آں حالیکہ وہ تحریر میرے قلم سے نکلی تھی اور اس پر میرا نام درج بھی تھا۔

آپ نے پوچھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو (اسلامی جمعیت طلبہ کے خاک وخوں میں غلطاں

ہو جانے والے نوجوانوں کی شہادت پر رنج و غم کرنے پر) کس نے مجبور کیا ہے۔ تو عزیزم مجبور باہر سے تو کسی نے نہیں کیا۔ البتہ ان کے اندر شہید ہونے والے نوجوانوں جیسے بیٹوں کا ایک مسلمان باپ بیٹھا ہے' اس نے اکسایا تھا۔ ویسے بھی جو تعلق انہیں اسلامی جمعیت طلبہ سے رہا ہے اس کی وجہ سے جمعیت کے نوخیز کارکن بھی انہیں اپنے بیٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ شہید کے خون کا کام آنا اور رائیگاں چلے جانا دو الگ الگ باتیں ہیں اور ان کی وضاحت اس تحریر میں بھی موجود تھی۔ شہید کا خون اس کے اپنے کام تو یقیناً آیا اور جب یہ عرض کر دیا گیا تھا کہ وہ تو اپنی نیت کے مطابق اجر کی مراد انشاء اللہ ضرور پائیں گے تو اس پہلو سے ان کے خون کے رائیگاں جانے کا جسے اندیشہ ہے وہ فی الحقیقت جان ہارنے والے نوجوانوں کی نیت پر شبہ کر رہا ہے۔ ایسا ڈاکٹر صاحب نے نہ اپنی تقریر میں کہا اور نہ اس تحریر پر یہ الزام جڑا جا سکتا ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے۔ البتہ نیک نیتی سے بھی ایک ایسے بظاہر نیک مقصد ہی کی خاطر خون دیا جائے جس کے خدوخال واضح نہ ہوں اور جس کا لائحہ عمل ان خطوط پر استوار نہ ہو جو نیکی اور بدی کی تشریح کرنے والے ہادی' ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں' تو اس مقصد کے حوالے سے وہ خون رائیگاں جاتا ہے۔ میں اپنی بات کو مزید واضح کر دوں کہ ایسی صورت میں شہید کے لئے تو اس کا بہایا ہوا خون کام آیا' مقصد کے لئے وہ مفید نہ ہوا' رائیگاں گیا

ایک چھوڑ دس نوجوانوں کے ذریعہ بھی کسی تعلیمی ادارے میں انقلاب نہیں آ سکتا۔ آپ اصلاح اور انقلاب کا فرق تو سمجھتے ہوں گے۔ کوئی تعلیمی ادارہ ہو' دفتر ہو' گلی کوچہ ہو یا معاشرے کی کوئی اور اکائی' اس میں علیحدہ سے کوئی اصلاح تو ہو سکتی ہے' الگ سے انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ انقلاب تو پورے معاشرے اور اس کے پورے نظام میں لایا جاتا ہے اور جب ایسا ہو جائے تو اس کے اثرات معاشرے کی سب اکائیوں میں از خود اترتے چلے جاتے ہیں۔ ذرا ہمیں یہ تو لکھئے کہ آج تک کی جدوجہد کے نتیجے میں کس تعلیمی ادارے میں "انقلاب" لایا جا سکا ہے۔ آپ نے اس خون کے ذریعے جماعت اسلامی کے سیاسی کھیل کو رنگین بنانے کی وضاحت طلب کی ہے تو مختصر بات عرض کئے دیتا ہوں' مزید تفصیل طلب نہ کیجئے ورنہ بات دور نکل جائے گی۔ دیکھئے اس کام کی بھی جسے آپ انقلاب لانا کہہ رہے ہیں ذمہ داری بنیادی طور پر اس جماعت پر ہی عائد ہوتی ہے۔ نوجوان طالب علم بھی معاشرے کا حصہ ہیں' انہیں اس ذمہ داری سے بالکل فارغ تو نہیں کیا جا سکتا لیکن حصہ رسدی یہ بوجھ ان پر نسبتاً کم آتا ہے۔ پھر

یہ بھی خیال فرمائیے کہ تعلیمی اداروں میں جو منکرات آگھسے ہیں وہ معاشرے سے ہی آئے ہیں جہاں وہ زیادہ منہ زوری اور زیادہ ہمہ گیری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں تو برائی کی کچھ شاخیں پہنچی ہیں، شجر خبیثہ کا تنا اور جڑیں معاشرے میں گہری اتری ہوئی ہیں اور ہمارے ملک کے پورے نظام میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں انقلاب برپا کیے بغیر تعلیمی اداروں میں اصلاح کا خواب نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہمارا خیال یہ ہے..... اور آپ کو بصیرت اور دلیل کی بنیاد پر اس سے اختلاف کا حق حاصل ہے..... کہ یہ کام جماعت اسلامی کے کرنے کا ہے جو وہ نہیں کر رہی۔ وہ نظام کو تبدیل کرنے کے انقلابی عمل میں اپنی توانائیاں صرف کرنے کی بجائے، جزوی تبدیلیوں اور محض نظام چلانے والے ہاتھ بدلنے کے لئے انتخابی بھاگ دوڑ میں مصروف ہے جسے ہم سیاسی کھیل کہتے ہیں۔ لوگ سیاسی کھیل کے لئے بھی خون دیتے ہیں، لیکن دین والوں کو ایسی قربانیاں بہت اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے دینی چاہئیں۔

آخر میں آپ نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے بیٹوں کا (جو چاروں میرے بھتیجے اور دو داماد بھی ہیں) طعنہ دے کر گویا ہمیں تاؤ دلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن افسوس کہ آپ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو بار بار دہراتے اور اس پر یقین کامل رکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس حالت میں موت آئی ہو کہ شہادت کی آرزو اس کے دل میں موجود نہ تھی تو وہ ایک طرح کے نفاق کی حالت میں مرا۔ اللہ تعالیٰ انہیں، ان کے بیٹوں کو، مجھے اور میرے بیٹوں کو شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ آمین..... فی الحال تو ڈاکٹر صاحب کے بیٹے دنیا کمانے اور مادی ترقی کے جھنڈے گاڑنے کی بجائے بس ان کے مشن میں ان کے ساتھی ہیں..... لیکن ذرا ویسے ہی آپ سے یہ ضرور درخواست کروں گا کہ مجھے اپنی جماعت کے اکابرین کے ان بیٹوں کی فہرست سے مطلع فرمائیے اب تک جنہوں نے شہادت کا لباس فاخرہ زیب تن کیا، یا پھر مجھ سے پوچھئے کہ ان کی غالب اکثریت دین کے بنیادی اور خالص نجی تقاضوں سے بھی بے نیاز، اپنے آباء کے کام سے ناتا توڑے اور مال و دولت دنیا کے بتان وہم و گماں کے سحر کا شکار ہو کر پورے کرۂ ارضی پر دیوانوں کی طرح ماری ماری پھرتی ہے اور دین سے جن کا تعلق بس "فیشن" کی حد تک ہے۔

والسلام
خاکسار، اقتدار احمد عفی عنہ

رفتارِ کار

امیر تنظیمِ اسلامی کا دورۂ سندھ

مرتب: مجیب صدیقی

اسلامی انقلاب کی اصطلاح اب غیر مانوس نہیں رہی ہے' بلکہ اب یہ سمجھی جانے لگی ہے' لوگ چونکتے نہیں بلکہ اب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح اب دوسروں کی زبانوں سے بھی دہرائی جانے لگی ہے۔ جو لوگ انتخابی طریقۂ کار کو اپنائے ہوئے ہیں جب ان کے دل کو ٹٹولا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بات تو وہی ٹھیک ہے اور راستہ تو انقلابی راستہ ہی ہے جس پر چل کر اسلامی نظام کا قیام ممکن ہے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا کام انجام پا سکتا ہے۔ انقلاب کے تصور میں توڑ پھوڑ' الٹ پلٹ' کشت و خون کا رنگ خود بخود پایا جاتا ہے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے سکھر شہر میں ایک ایسے عوامی جلسے میں اسلامی انقلاب کی وضاحت شروع کی جو سراپا گوش بنا سن رہا تھا۔ اتنا پرسکون اور بھرپور جلسہ کبھی کبھار ہی دیکھنے میں آتا ہے یہ جلسہ سکھر شہر کے عین وسط' یعنی قلب شہر میں منعقد کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہمارے انقلاب کا تصور انقلاب نبوی کے مشابہ ہو گا۔ کیونکہ ہمیں رہنمائی وہیں سے لینی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلامی انقلاب کی تیاری کے ضمن میں سیرت و کردار کی تعمیر' ایمان کی آبیاری کے ذریعے ایسے نفوس تیار کرنے ہیں جن کی ترجیحات آرائش دنیا نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی ہو اور ان کی معتدبہ تعداد کے بغیر نہی عن المنکر بالید کا تصور ممکن نہیں۔

پاکستان کے موجودہ حالات کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے اور اس میں برسر اقتدار قیادت کے ماضی و حال کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے' فرمایا کہ اس ملک کی بقا کا انحصار صرف اسلام نہیں بلکہ حقیقی اسلام میں ہے' جو واقعتاً لوگوں کے مسائل حل کرے اور عدل و قسط کا نظام جاری کرے۔ پاکستان کے چالیس سالہ دور میں جو تجربے ہوئے ہیں اس کے پیش نظر یہ تصور بھی غلط ہو گیا کہ کوئی مرد حق اٹھے گا اور وہ بزور شمشیر دین حق کو نافذ کر دے گا۔ یہ محض تمنائیں ہیں اور جو لوگ ایسی تمناؤں اور آرزوؤں کے سہارے جیتے ہیں اب ان کی آنکھ کھل جانی چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید ارشاد فرمایا۔ جو لوگ جمہوریت کی گاڑی میں سوار ہو کر اسلام کی منزل تک پہنچنے کے خواب دیکھا کرتے تھے ان کے خواب بھی ہوا میں تحلیل ہو گئے ہیں وہ اس استحصالی نظام کے شکنجے میں سے جمہوریت کو بھی نہیں نکال سکتے تو پھر اسلام تو دور کی بات ہے۔

اب وہ آخری طریقہ انقلاب کا ہے۔ جو میرے نزدیک اسلامی نظام برپا کرنے کی واحد صورت ہے۔ آپ نے ان مراحل کا تفصیل سے جائزہ لیا اور پاکستان کی کشتی جس گرداب میں آ گئی ہے۔ انقلاب کے حوالے سے ضمنی طور پر اس پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ لیکن اصل تقریر کا محور و مرکز اسلامی

انقلاب کے مراحل کی تفصیلات نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کی روشنی سے بیان کیں
سکھر کے عوام جلسے تو آئے دن سنتے رہتے ہیں لیڈران کرام آتے ہیں گھن گھرج پیدا کر کے چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس نوعیت کی تقریر انہیں سننے کو نہیں ملتی جس میں تعلیم و تربیت کے ساتھ عمل پر ابھارا جاسکے اور واضح منزل کی نشاندہی کی جائے محض جذباتی انداز میں نہیں بلکہ دلائل کے ساتھ انہیں ذہنی طور پر مطمئن کیا جاسکے۔ اس تقریر نے لوگوں پر گہرا اثر چھوڑا' راقم الحروف نے جلسے میں شریک ہونے والے متعدد افراد سے تاثرات معلوم کئے' جس میں بھرپور تائیدی انداز پایا' مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے اس تقریر کو سراہا۔ بات یہ تھی کہ لوگ اختلافی مسائل پر مسلسل تقریریں سن سن کر بیزار ہو چکے ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرپیکار مقررین اب توجہ کا مرکز نہیں رہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں اخلاص کے ساتھ بات سمجھائی جائے اور ایسا انداز فکر پیدا کیا جائے جس سے امت میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو' یہی وجہ ہے کہ اس تقریر کو صرف پسند ہی نہیں کیا گیا بلکہ داد و تحسین کے جملے بھی سنے گئے۔ تقریر کے دوران لوگوں کا ہمہ تن گوش ہونا دیدنی تھا۔

تقریر کی کامیابی اور اس کے اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نوجوانوں کا ایک گروپ امیر محترم سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ دوسرے دن چونکہ یہیں سے لاڑکانہ جانا تھا اس لئے واپسی پر ملاقات طے ہوئی ان نوجوانوں نے اپنے طور پر دعوت نامے چھپوا کر تقسیم کئے۔ مسجد سے اعلان کیا اور ایک بھرپور پروگرام مرتب کر لیا۔ لاڑکانہ میہڑ اور دادو سے واپسی پر جب ہم لوگ اپنے مستقر پر پہنچے تو یہ منتظر گروپ امیر محترم کو اپنے ساتھ لے جانے پر اڑ گیا۔ امیر محترم کو اس دورہ کی آخری تقریر روٹری کلب میں کرنی تھی وقت بالکل کم تھا نوجوان مصر تھے۔ آخر امیر محترم نے ان سے وعدہ فرمایا کہ آپ لوگوں کے لئے خاص طور پر ایک دن کا وقت نکال کر سکھر آؤں گا اس شرط کے ساتھ کہ وہ انہیں پورا دن دیں گے وہ مطمئن ہو گئے۔

سکھر کا جلسہ ۱۳ مارچ کو منعقد ہوا تھا۔ ۱۴ مارچ کی صبح ناشتہ پر علماء کرام کو مدعو کیا گیا تھا' خاص کر متوسلین شیخ الہند' تاکہ ان کا تعارف امیر محترم سے کرایا جاسکے اور کچھ دیر ان کے ساتھ رہا جائے تاکہ اس فصل و بعد میں کمی آئے جو خواہ مخواہ پیدا ہو گئی ہے۔ چند علمائے کرام کے علاوہ اکثر علمائے کرام نہیں آئے' بعض دوسرے دانشور حضرات بھی اس موقع پر شریک تھے۔

لاڑکانہ...... ۱۴ مارچ بعد دوپہر لاڑکانہ کے لئے روانہ ہوئے تنظیم کے رفقاء بھی ہمراہ تھے۔ لاڑکانہ میں اسٹیشن سے متصل جامع مسجد میں بعد نماز عشاء تقریر ہوئی۔ موضوع وہی اسلامی انقلاب تھا جس کے نشیب و فراز کی تفصیلات امیر محترم نے اپنے خصوصی انداز میں بیان کیں۔ مسجد شہر کے ہنگاموں سے ہٹ کر تھی وہی لوگ اس جلسے میں شریک تھے جو ارادہ کر کے سننے کے لئے تشریف لائے تھے ڈاکٹر' وکیل اور سیاسی بصیرت کے حامل لوگ اس تقریر میں سامعین کی حیثیت سے شامل تھے۔ لاڑکانہ شہر سیاسی سوجھ بوجھ کا شہر کہلاتا ہے۔ ویسے تو اب سندھ کا ایک ایک گاؤں سیاسی بیداری کا مخزن بن گیا ہے۔

امیر محترم نے فرمایا ایک درد ہے جو مجھے یہاں لے کر آیا ہے' میری تقریر کا موضوع نہ تو مذہبی فرقہ واریت ہے اور نہ مروجہ سیاست۔ از روئے قرآن ہمارا سب سے بڑا مقصد کیا ہے؟ اگر سوچ کا رخ

صحیح ہو تو پوری زندگی کا سفر صحیح راستے پر ہو گا ورنہ نہیں ہمارا اصل مسئلہ آخرت کی نجات ہے جبکہ ہم نے روٹی کپڑا اور مکان سمجھا ہوا ہے۔ اسلام اور قرآن کی رو سے میرا اور آپ کا مسئلہ روٹی کپڑا اور مکان نہیں بلکہ نجات اخروی ہے۔ یاد رکھیں زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ خدا کا انکار کرنے والے تو اس دنیا میں مل جائیں گے مگر موت کا انکار کرنے والا اس دنیا میں کوئی نہیں ملے گا۔ یہ زندگی عارضی ہے، فانی ہے، غیر یقینی ہے۔ یہی ایمان کا خلاصہ ہے۔

فکر و نظر کا اصل فساد اور کجی صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم نے دنیا کو چن لیا ہے اور پسند کر لیا ہے اور آخرت کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ امیر محترم نے فکر و نظر کے فساد اور اس کی اصلاح پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

آج کل سندھ میں حقوق کا بڑا چرچہ ہے۔ یہ مسئلہ صرف سندھ کا نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے نقشے پر عموماً پس ماندہ ممالک اس سے دوچار ہیں۔

حقوق و فرائض کا ذکر کرتے ہوئے امیر محترم نے فرمایا جس معاشرے میں غلط نظام رائج ہو جائے وہاں انسان حیوان بن جاتا ہے۔ ہر ظالمانہ نظام کو اکھاڑ پھینکنا اسلام کا تقاضہ ہے۔ یہی فکر ولی اللهی ہے فک کل نظام۔ اللہ نے ترازو اتاری ہے یہ میزان وعدل اس لئے اتاری ہے کہ جس کا جو حق ہے وہ اس میزان سے تل کر ملے۔ اور جان لیجئے کہ جمہوریت میں جس کی لگام وڈیروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے حق دار کو حق کبھی بھی نہیں ملے گا۔ اس کے لئے اسلامی انقلاب کی ضرورت ہے۔ ایسا انقلاب جو اس ظالمانہ نظام کو بیخ دین سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ اس کے مراحل کتنے ہیں۔ وہ گن گن کر آپ نے بتائے۔

مسجد کے باہر مکتبہ لگایا گیا تھا۔ لوگوں نے مکتبہ میں دلچسپی کا اظہار کیا ہمارے رفقائے تنظیم اسلامی کا منشور اور بعض دوسرے ہینڈبل تقسیم کئے منشور کا سندھی ترجمہ بھی موجود تھا جو تقسیم ہوا۔

لاڑکانہ..... ۱۵ مارچ کی صبح لاڑکانہ کی ایک مشہور شخصیت جناب گدا حسین مہیر صاحب نے امیر محترم و رفقاء تنظیم کو ناشتہ پر مدعو کیا تھا۔ کچھ دوسرے اصحاب بھی موجود تھے۔ جناب گدا حسین صاحب لاڑکانہ کی رائس کارپوریشن کے صدر ہیں اور مشہور سماجی و سیاسی شخصیت ہیں آپ دین کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اس سے قبل جب لاڑکانہ میں امیر محترم کا پروگرام رکھا گیا تھا آپ نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا۔ مگر انتظامیہ نے لاڑکانہ میں امیر محترم کا داخلہ بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ پروگرام نہ ہو سکا۔

گفتگو جہاں دوسرے موضوعات پر ہوتی رہی وہاں امن وامان کا مسئلہ جس نے عدم تحفظ کا احساس پیدا کیا ہے۔ خاص طور پر موضوع سخن رہا۔ سندھ کی حکومت ڈاکوؤں کی سرکوبی میں ناکام رہی ہے۔ اس ناکامی نے ہر شخص کو پریشان کر رکھا ہے۔ محض بیان دینے سے نہ خطرہ ٹل سکتا ہے نہ ڈکیتیاں بند ہو سکتی ہیں مگر انتظامیہ ہے کہ بیان سے کام چلا رہی ہے۔

میہڑ..... میہڑ کا شہر لاڑکانہ اور دادو کے درمیان ہے۔ یہ شہر بھی کئی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے سیاسی میدان کے اعتبار سے لاڑکانہ سے کم نہیں۔ اس چھوٹے سے شہر میں تمام جماعتیں موجود ہیں

اور اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہتی ہیں اس میں شامل نوجوان بڑے پرجوش ہیں۔ یہاں ڈاکوؤں سے بھی کئی معرکے ہوئے ہیں۔ یہ شہر سندھی کاز کے تحفظ کے لئے ایک قلعہ کا کام دیتا ہے۔

ہم لوگ ساڑھے گیارہ بجے میہڑ پہنچ چکے تھے جلسہ مدرسہ دارالقرآن کی بڑی مسجد میں رکھا گیا تھا۔ اس مدرسے کے مہتمم جناب سعید احمد صاحب ہیں جو مسلکاً اہلحدیث ہیں جبکہ یہ مدرسہ مسلک دیوبند پر قائم ہوا تھا ان کے چھوٹے بھائی جناب قاری رشید احمد صاحب بڑے فعال بڑے متحرک ہیں ان دونوں بھائیوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا خیر مقدم کیا۔ مسجد کے صحن میں شامیانے لگائے گئے تھے۔ شہر میں پروگرام کے پوسٹر پہلے ہی لگ چکے تھے اور اعلان بھی ہو رہا تھا۔ میہڑ میں تنظیم کا کوئی کارکن نہیں۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ انتظامات کارکنوں کی ایک کھیپ کر رہی ہے اور تھا بھی ایسا ہی کہ یہ مخلص لوگ دین کی خدمت کے جذبے سے سرشار تن من دھن سے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔

سندھ کی قدیم ثقافت کو جس میں یہاں کی مہمان نوازی کو بڑی شہرت حاصل ہے چشم سر سے دیکھا اخلاص و محبت کے یہ پیکر ہمارے لئے چشم براہ تھے اور چشم تصور ماضی میں ان کے آباؤ اجداد کو دیکھ رہی تھی جو اسی طرح کے دین کی خدمت کے جذبے سے سرشار برصغیر میں اسلام کے داعی بنے تھے۔ مگر حالات نے تاریخ کے اوراق پر ایسی گرد جمادی کہ ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کے کردار اور کارناموں سے بے بہرہ ہو کر رہ گئی۔ اس شہر میں امیر محترم کی پہلی بار آمد تھی لیکن ہم میں سے کسی نے بھی اجنبیت محسوس نہیں کی بالکل عہد رسالت کے صحابہ کرامؓ کی محبت و الفت کا نظارہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم اپنے ہی گھر آئے ہوئے ہیں یہ حقیقی احساس ہم سب کے دل میں موجزن تھا کچھ علمائے کرام پہلے ہی سے منتظر تھے۔ امیر محترم کے پہنچتے ہی لوگوں کی آمد شروع ہو گئی اور ملاقاتیں سوال و جواب اور حال و احوال کے تبادلے اس ابتدائی کارروائی میں شامل رہے۔

لاڑکانہ میہڑ اور دادو میں اس دورہ کا پروگرام جناب غلام محمد سومرو صاحب نے بنایا تھا آپ ہی کی انتھک محنت سے یہ پروگرام کامیاب ہوا۔ غلام محمد سومرو صاحب کا گاؤں بھی میہڑ سے دس میل کے قریب ہے وہاں پہلے ہی ایک حلقہ بن چکا ہے۔ وہاں سے بھی کئی افراد شریک جلسہ رہے۔

ہمیں بتایا گیا کہ میہڑ کے پرجوش نوجوانوں نے پہلے اپنی برہمی کا اظہار کیا تھا لیکن جب انہیں جواب دیا گیا کہ آپ کو ہر قسم کے سوالات کرنے کی اجازت ہو گی اور آپ لوگ یقیناً ڈاکٹر صاحب سے مل کر خوشی محسوس کریں گے لیکن سوالات آپ کو لکھ کر دینے ہوں گے تو اس پر وہ راضی ہو گئے پھر انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ سپاسنامے میں ہم ان تمام مسائل کا احاطہ کریں گے جو آپ کو مطلوب ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی تقریر انہی مسائل کے گرد ہو گی۔

ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے ادا کی گئی اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی جناب قاری رشید احمد صاحب جو اس جلسہ کے ناظم تھے سپاسنامہ پیش کیا اور اپنی مختصر تقریر میں ان تمام مسائل کا ذکر کیا جس کا چرچہ عوام و خواص میں ہے۔ امیر محترم نے منتظمین کا شکریہ ادا کیا اور پہلی بار اپنی آمد اور اس پرتپاک خیر مقدم پر اپنے گہرے احساس کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کاش میں سندھی زبان جانتا ہوتا تو دل کے صحیح جذبات آپ تک پہنچ سکتے۔ زبان کا تعلق اتنا اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس علاقے میں انبیاء کو بھیجا اس

کو اسی زبان میں بھیجا تاکہ بات سمجھانے میں حجاب نہ رہے میں مشکل ضرور محسوس کر رہا ہوں لیکن امید کرتا ہوں کہ میرے دلی جذبات آپ تک ضرور رسائی حاصل کریں گے سپاسنامے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ میرے لئے نئے نہیں ہیں ان خیالات کا اظہار میں تفصیل سے استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ نامی کتاب میں کر چکا ہوں اور وقتاً فوقتاً خطبہ جمعہ میں اس کا اعادہ کرتا رہتا ہوں۔ لوگ بڑے شوق وانہماک سے تقریر سن رہے تھے سپاسنامے کی کچھ باتیں تحریر کر دوں تاکہ آپ اس کے تیور اور تیکھے پن کو محسوس کر سکیں۔

کیا کچھ اس قوم پر گزری پاکستان کا کونہ کونہ جانتا ہے۔ ظالم چلے گئے مگر مظلوم باقی ہیں۔ سندھ پاکستان کا خالق ہے۔ پاکستان سندھ کا خالق نہیں ہے۔ وقت کے جابر ہندو اور انگریز کی غلامی سے اس لئے نکلے تھے کہ اسلام کا مزہ چکھیں گے مگر ہمیں کیا ملا کلاشن کوف' بارود اور بم ملے۔ ڈاکوؤں کی آڑ میں یہاں لوگوں کو مارا جاتا ہے۔ فوجی ریٹائر ہوتے ہیں تو انہیں سندھ میں زمین دی جاتی ہے سندھ کے مزدور لوڈ ۲ روپے یومیہ دیئے جاتے ہیں اور پنجاب سے لائے ہوئے مزدور کو ۴۵ روپے دیئے جاتے ہیں ہماری زمینوں سے غیر مقامی افراد کے تسلط کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا..... میرے نزدیک ہمارا آپ کا سب کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ آخرت کی نجات ہے اپنے رب کو راضی کرنا ہے۔ ہمارا دین دین فطرت ہے۔ جس طرح حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی مسالک ہیں دین نہیں ہیں اسی طرح قومیتیں ہیں اس کی نفی اسلام نے نہیں کی ہے۔ کوئی قوم پرست یہ نہ کہے گا کہ جتوئی جتوئی نہ رہے سومرو سومرو نہ رہے حقوق و فرائض کا توازن اللہ نے اپنے دین کی شکل میں دیا ہے۔ جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غلط ہو جاتا ہے اس میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہ غلط معاشی تقسیم دو دھاری تلوار کی طرح ہے اس غلط تقسیم کی کاٹ دونوں طرف ہوتی ہے اس غلط تقسیم سے کچھ لوگ حیوان کی سطح پر پہنچ جاتے ہیں۔ دن بھر کی مشقت کے بعد بھی انہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا اور کچھ لوگ اپنے عیش و عشرت کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ توحید میں ملکیت کی پوری پوری نفی ہو جاتی ہے۔ ہر شے کا مالک اللہ ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ امانت ہے وہ اسی کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ نے شرک اور اقسام شرک کی مختصر وضاحت کی اور لوگوں کو اس سے خبردار کیا اسلام اگر آتا ہے تو وہ ہر ایک کے ایک ایک حق کو ادا کرے گا۔ اسلام تو اپنے مال کی حفاظت میں لڑ کر مرنے والے کو شہید کہتا ہے اور یہ بات اپنی جگہ صد فیصد درست ہے کہ اسلام انتخاب سے نہیں بلکہ انقلاب سے آئے گا جب اسلام نہیں آتا حقوق میں عدل و توازن نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنی تمام صلاحیت اسی انقلاب کو لانے میں صرف کرنی چاہئے تاکہ اسلام کے عادلانہ نظام کو اس سرزمین پر رائج کیا جاسکے جس سے حق دار کو اس کا حق مل سکے۔ اسلام کا عملی نمونہ بنو یعنی اسے اپنے اوپر نافذ کرو جب تک اسے اپنے اوپر نافذ نہیں کرو گے گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔

تقریر کا یہ انداز میہڑ والوں نے پہلی مرتبہ سنا تھا جس میں دعوت الی اللہ کے ساتھ دعوت جہاد اور جہاد کی ابتدا اپنی ذات سے جہاد' اپنے نفس سے جہاد' معاشرے کے بگڑتے ہوئے چلن سے جہاد اور سب سے مشکل کام اس نوعیت کا جہاد ہے۔ دوسرے سے ٹکرا جانا تو آسان ہے اپنے آپ سے ٹکرانا

بہت ہی مشکل کام ہے۔ ورنہ عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ مقررین حضرات دوسروں سے ٹکرانے کا نعرہ بلند کر کے داد حاصل کرتے ہیں اور سامعین کو جذبات کے گرداب میں چھوڑ کر رخصت ہو جاتے ہیں یہاں حاصل اس کے برعکس تھا۔ سب سے پہلے سب سے پہلا مطالبہ خود سے جہاد کرنا تھا۔ یہ بات ہر اس شخص پر شاق گزرے گی جو اپنے دل کو ٹٹولے گا اور اس سے سوال کرے گا۔ امیر محترم کی تقریر ساڑھے تین بجے تک جاری رہی تمام مسائل پر بھرپور تبصرہ انقلاب اسلامی کے حوالے سے ہوا۔ منتظمین جلسہ نے تمام سامعین کے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ صبح ہی سے دیگوں کی قطاریں بتارہی تھیں کہ دعوت سماعت کے ساتھ دعوت طعام بھی ہے۔ اپنی معروفیت کو چھوڑ کر آنے والوں کا اکرام اس طرح کیا جاتا ہے۔

کھانے کے بعد سوال و جواب کی نشست شروع ہوئی۔ امیر محترم نے پیش آنے والے تمام سوالوں کے جوابات دلائل کے ساتھ اپنی تقریر میں دے دیئے تھے۔ لیکن تحریر شدہ سوالات کے جوابات دیئے گئے اور بظاہر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سبھی مطمئن ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

جلسہ گاہ کے چاروں طرف بینر لگائے گئے تھے جس میں دعوتی کلمات درج تھے جب کہ جلسہ گاہ کے باہر مکتبہ لگایا گیا تھا۔ کتابوں میں لوگوں نے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور خاص خاص موضوعات پر کتابیں خریدیں۔ سوالوں اور جوابوں کی نشست زیادہ دیر نہ چل سکی اس لئے کہ شافی و کافی جواب تقریر میں مل چکا تھا اس کے بعد عصر کی اذان بعد طعام ہوئی۔ لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ امیر محترم کو حالانکہ وہ قصر نماز کے پابند تھے مگر لوگوں نے اصرار کر کے انہیں نماز پڑھانے کے لئے کہا اس طرح امیر محترم نے اپنی قصر نماز میں جماعت کی اور بقیہ نے اپنی نماز مکمل کی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہمیں مغرب سے قبل دادو پہنچنا تھا اس لئے کہ دادو میں خطاب بعد نماز مغرب رکھا گیا تھا۔

دادو..... مغرب سے متصل ہم دادو پہنچے 'امیر محترم کو کچھ دیر بھی آرام کا موقع نہیں ملا تھا۔ تقریر کی مشقت کے ساتھ سفر کی تکان 'مگر گلا جواب دے چکا تھا' لیکن حسب پروگرام تقریر کرنی تھی دادو میں تقریر کا انتظام لوکل بورڈ کی مسجد میں کیا گیا تھا ہمارے کارکن مسجد میں پہنچتے ہی بینر آویزاں کرنے لگے اور مسجد کے باہر مکتبہ بھی لگا لیا گیا۔

مغرب بعد امیر محترم نے خطاب شروع کیا' آپ نے فرمایا پہلی بار حاضری کا موقع ملا ہے۔ لیکن سندھ کے حالات سے کبھی ہم نے صرف نظر نہیں کیا۔ بلکہ جس انداز میں' میں نے ان مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ اور اس کے لئے جو حل تجویز کیا ہے۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ میرے غور و فکر کے نتیجے میں ان تمام مسائل کا حل اسلامی انقلاب میں ہے۔ اسلامی انقلاب کیا ہے اور وہ کس طرح برپا ہو گا۔ اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہمیں اللہ کی بندگی اختیار کرنی ہو گی پوری بندگی ادھوری نہیں۔ اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہو گا۔ پہلے اپنے وجود پر اس نظام کو نافذ کرنا ہو گا جب تک ہم اس بات پر تیار نہیں گاڑی آگے نہیں چلے گی۔ دنیا کے دوسرے انقلابات کا حوالہ دیتے ہوئے سیرت نبویؐ سے تقابلی مطالعہ پیش کیا۔ امیر محترم تھکے ہوئے تھے مگر زیر بحث موضوع کو تشنہ نہ چھوڑا بلکہ سیر حاصل گفتگو کی' حاضرین میں علماء کرام کے علاوہ وکلاء اور دوسرے دانشور حضرات بھی موجود تھے یہ تقریر ۹ بجے تک جاری رہی اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی۔

ہمارا قیام شہر کے ایک مشہور ڈاکٹر جناب میجر میر محمد لغاری صاحب کے یہاں تھا موصوف نے رات کے کھانے پر ڈاکٹر صاحبان ' وکلاء حضرات ' علماء کرام اور معززین شہر کو مدعو کیا تھا آپ کے مکان کی چھت پر سب جمع تھے۔ امیر محترم کے ساتھ سوال و جواب کی نشست شروع ہوئی۔ یہ نشست اپنی افادیت کے اعتبار سے منفرد تھی۔ ذہنوں کے اشکالات سامنے آتے رہے اور انہیں تسلی بخش جواب ملتے رہے۔ اسلامی انقلاب کے حوالے سے بہت سے گوشے وا ہوئے اور سامعین نے محسوس کیا کہ یقیناً انقلاب ہی واحد راستہ ہے جو ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔ بعض سوالات خالص سیاسی نوعیت کے تھے۔ ان میں سے بعض حقوق سے متعلق تھے۔ سبھی کے جوابات امیر محترم نے پر سکون انداز میں دلائل سے دیئے یہ مجلس ہر اعتبار سے کامیاب اور مفید رہی۔ رات ساڑھے گیارہ بجے طعام کی نشست ہوئی۔

ایک بات عرض کرتا چلوں کہ امن و امان کا مسئلہ یوں تو پورے سندھ کا مسئلہ ہے مگر اس کا نقطہ عروج میہڑ اور دادو کے علاقے ہیں۔ امیر محترم جس وقت مسجد میں اسلامی انقلاب کے مراحل بیان کر رہے تھے اس وقت مسجد کے عقب سے کچھ فاصلے پر گولیاں چل رہی تھیں اور آواز کی لہریں فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں جب میں نے برابر میں بیٹھے ہوئے ایک شخص سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ معمول میں شامل ہے صبح کو معلوم ہوا کہ ڈاکو دو افراد کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

صبح درس قرآن کے لئے امیر محترم سے جناب منظور احمد سومرو صاحب مہتمم مدرسہ دار الفیوض مسجد جیون شاہ نے وعدہ لے لیا تھا اور ناشتے کا بھی اہتمام کیا تھا۔ یہ درس بعد نماز فجر شروع ہوا۔ امیر محترم نے سورۃ مدثر کی ابتدائی تین آیات تلاوت فرمائیں اور انہی کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ اس مسجد میں روزانہ درس قرآن ہوتا ہے' یہ بات بڑی بابرکت ہے مجھے بھی لطف درس قرآن سے ہی حاصل ہوتا ہے نہ کہ تقریر سے حضورؐ نے سارا کام قرآن ہی سے کیا ہے۔ انذار اسی سے ' تبشیر اسی سے ' تزکیہ اسی سے ' تربیت اسی سے ' تبلیغ اسی سے ' آپؐ کی دعوت کا محور و مرکز قرآن تھا امراض سینہ کے لئے شفا ہے۔ انسانیت کی ہدایت و رہنمائی اسی میں ہے یہ آیات جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ابتدائی دور کی آیات ہیں۔ اے کمبل میں لپٹنے والے صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جایئے لوگوں کو ڈر سنایئے اور اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے۔ انذار کیا ہے؟ تصور آخرت...... یہ زندگی ختم ہو کر رہے گی۔ ایک ایک عمل کا حساب دینا ہو گا اچھے عمل کے بدلے جنت اور برے عمل کا انجام آگ کا دھکتا ہوا گڑھا جس کا نام دوزخ ہے۔ پھر رب کی کبریائی کیا ہے۔ رب تو خود بڑا ہے۔ اسے بڑا کرنے کا مفہوم کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا...... آپ غور کریں کہ ہر سطح پر ہم نے اپنے رب کو چھوٹا کر رکھا ہے۔ ایک طرف نفس کی خواہش ہے دوسری طرف اللہ کا حکم اگر ہم نے نفس کی پیروی کی تو گویا ہم نے نفس کو اللہ کے مقابلے میں بڑا کیا۔ اسی طرح رسم و رواج ہے۔ کہ ہم اللہ کے حکم کے علی الرغم اس کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر ہماری زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کہاں بلند ہے؟ عدالتوں میں کس کا نظام چل رہا ہے؟ اللہ کا یا بندوں کا؟ ہمارا معاشی ' سیاسی ' اقتصادی نظام اللہ کے بتائے ہوئے قانون کے تحت ہے یا بندوں کے بنائے ہوئے قانون کے تحت؟ اللہ کی کبریائی کہاں ہے؟ کیا پارلیمینٹ میں ہے؟ ایوان صدر میں ہے؟ ہمارے معاشرے میں ہے؟۔

قرآن مجید کی دعوت کا ہدف یہی ہے کہ ہر گوشے میں اللہ کی کبریائی بلند ہو۔ اسی کا نام اسلامی انقلاب ہے۔ یہی دعوت دین ہے یہی دعوت الی اللہ ہے اسی کی طرف میں لوگوں کو بلا رہا ہوں۔ ہماری تمام سعی وجہد کا مرکز و محور یہی اسلامی انقلاب کے لئے کام کرنا ہے اور اسی کی میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ اصل کام یہی ہے اسی میں آخرت کی نجات ہے۔

خطاب بار ایسوسی ایشن دادو...... دادو کی بار ایسوسی ایشن نے گیارہ بجے کا وقت دیا ہوا تھا' وقت مقررہ پر ہم بار پہنچ گئے' وکلاء نے امیر محترم کا خیر مقدم کیا۔ افتتاحی کلمات میں امیر محترم کو خطاب کی دعوت دی۔

امیر محترم نے پاکستان کی اساس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی بقا کے لئے اسلام کو ناگزیر قرار دیا۔ پاکستان کی وحدت صرف اسلام سے قائم رہ سکتی ہے۔ اس کو جوڑنے والی شے صرف اسلام ہے اس کا وجود اسلام کے نام پر ہوا اب اگر اسے قائم رہنا ہے تو حقیقی اسلام کو قائم کرنا ہو گا۔ ورنہ اس کے بقاء کا کوئی جواز نہیں چالیس سال گزرنے کے باوجود نہ اسے دستور نصیب ہوا ہے نہ اس کی گاڑی جمہوریت کی پٹڑی پر چل رہی ہے۔ بار ہال میں دو تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک قائد اعظم کی اور اس کے بالمقابل ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی۔ قائد اعظم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے حریت و مساوات کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اگر مسلم لیگ اپنی تحریک کے درمیان اسلام کا نام نہ لیتی تو بر صغیر کا مسلمان اس کے گرد جمع نہ ہوتا۔ مسلم لیگ ایک جماعت نہ تھی ایک تحریک تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان حاصل ہونے کے بعد تحریک ختم ہو گئی اور قیادت کا خلا پیدا ہو گیا۔ اس کے برعکس کانگریس ایک جماعت تھی۔ اس کی قیادت تربیت یافتہ افراد کے ہاتھوں میں تھی جو سرد و گرم سے گزر کر اوپر آئے تھے۔ انہوں نے بھارت کی قیادت سنبھالی' دستور بنایا اور اس کی گاڑی کو جمہوریت کی پٹڑی پر رواں دواں کر دیا۔ قائد اعظم نے کہا تھا کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر محترم نے فرمایا' بھٹو صاحب بھی ایک تحریک لے کر اٹھے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے چاروں صوبوں کو مطمئن کر کے ایک دستور پر دستخط کرا لئے تھے مگر عددی اکثریت کے بل پر دستور کا جو حلیہ بگڑا ہے وہ کسے معلوم نہیں اسے موم کی ناک بنا لیا گیا تھا اپنی مرضی سے جدھر چاہتے موڑ لیتے تھے۔ نعرہ انہوں نے حریت و مساوات کا لگایا تھا مگر ان دونوں چیزوں کی جو مٹی پلید کی گئی سب کے سامنے ہے۔ انہوں نے بھی انہی وڈیروں اور جاگیرداروں کا سہارا لیا۔

اس ملک کی بقا کا انحصار اسلام کے نفاذ پر ہے۔ زبانی کلامی اسلام نہیں نہ ضیاء الحق صاحب کا اسلام۔ اس شخص نے اپنے دور میں اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے مجموعی طور پر تمام ادوار کو ملا کر اتنا نقصان نہیں پہنچا۔ یہاں حقیقی اسلام انتخاب سے نہیں آئے گا بلکہ انقلاب سے آئے گا۔ آپ نے انقلاب کے مراحل تفصیل سے بیان کئے اور دوران گفتگو ان مسائل کو بھی سموتے گئے جو اس وقت سندھ میں طوفان بن کر ابھر رہے ہیں۔ تقریر کے بعد معمول کے مطابق سوالات کی باری تھی فضا میں گردش کرنے والے تمام سوالات کے جوابات تقریر میں دے دیئے گئے تھے پھر بھی وکلاء نے کچھ

سوالات پوچھے۔

تنظیم کے رفقا کی طرف سے بار کے وکلاء کی خدمت میں تین کتابوں کے سیٹ پیش کئے گئے ایک استحکام پاکستان ' ایک استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ اور تیسری کتاب اسلام کا معاشی نظام (سندھی ترجمہ) چائے کی تواضع کے بعد ایک بجے کے قریب ہم دادو سے رخصت ہوئے۔

دادو اور میہڑ سے ہٹ کر یعنی درمیانی سڑک سے ہٹ کر ایک بستی ہے جو بہاولپور کہلاتی ہے یہاں ایک بڑی مسجد اور مدرسہ قائم ہے۔ اس کے مہتمم جناب مولانا نثار احمد صاحب اور ان کے صاحب زادے جناب انیس احمد صاحب میہڑ کے خطاب میں شریک تھے۔ مولانا پیرانِ سالی کے باوجود ملنے کے لئے چل کر تشریف لائے تھے۔ یہ ان کی عنایت تھی۔ امیر محترم ان سے مل کر بہت خوش ہوئے انتہائی سادہ منکسر المزاج حق کے جویا ' اخلاص کا پیکر ' دل میں اسلام کا درد اور ملت کی فلاح کا جذبہ موجزن ہے۔ آپ نے امیر محترم سے اپنے ہاں آنے کا وعدہ لے لیا اس لئے وقت کی کمی کے باوجود بھی وہاں حاضری دی گئی۔ مولانا کا اصرار تھا کہ وہاں بھی کچھ بیان ہو جائے لوگ منتظر ہیں ' امیر محترم اس فرمائش کو نہ ٹال سکے اور نصف گھنٹے کا بیان ہوا۔ آپ نے وہی دعوت جس کا علم لے کر اٹھے ہیں بستی والوں کو دی اور انتہائی اختصار کے ساتھ کرنے کے اصل کام کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا محترم کے صاحب زادے انیس احمد صاحب نے جو میہڑ کے خطاب سے متاثر ہی نہیں شرمسار تھے ' امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کے لئے کہا۔ اس طرح تقریر کے بعد بیعت کی تقریب ہوئی انیس احمد صاحب کے ساتھ گاؤں کے دوسرے سترہ افراد نے بیعت کی لوگوں کے اس جذبے کو دیکھ کر مجمع میں ایک صاحب اپنے آنسوؤں کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ وضو خانے کی طرف چلے گئے۔ امیر محترم نے بیعت کے بعد دعا فرمائی۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو تین بج چکے تھے ' ہمیں جلد واپس سکھر پہنچنا تھا کیونکہ روٹری کلب والوں نے ایک تقریب ملاقات کا اہتمام کیا تھا۔

امیر محترم بہت زیادہ تھک چکے تھے گلا پہلے ہی متاثر تھا اس تقریر نے رہی سہی کسر نکال دی اور آواز مزید بھاری ہو گئی۔ فکر تھی کہ سکھر کا پروگرام کیسے ہو سکے گا ہم لوگ آٹھ بجے کے قریب سکھر پہنچے دن بھر کے سفر نے تھکا دیا تھا نماز فجر کے بعد سے مسلسل سفر اور تقریریں تھیں اس لئے کہ آرام میسر نہ آ سکا تھا۔

پھر سکھر روٹری کلب اور بے سیز..... روٹری کلب والوں کو اطلاع دی گئی کہ ہم نو بجے حاضر ہو سکیں گے اس ایک گھنٹہ کے درمیان نماز عشاء ادا کی گئی اور ٹھیک نو بجے ہوٹل انٹرپاک کے ہال میں موجود تھے میرا خیال تھا امیر محترم تبرک کے طور پر مشکل سے چند الفاظ کہہ سکیں گے۔ حاضرین میں جج صاحبان ' وکلاء ' دانشور اور معززین شہر موجود تھے۔ روٹری کلب کے صدر نے امیر محترم کو خطاب کی دعوت دی۔

جو لوگ مشن لے کر چلتے ہیں وہ اپنی بات پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے نہ ان پر مشقت گراں گزرتی ہے۔ نہ تھکاوٹ ان کا راستہ روکتی ہے۔ ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے اس پیغام کو ہوش و گوش سے سن لیں۔ کیا عجب ان میں سے کوئی اس راہ کا ساتھی بن جائے ـ ہمسفر بن جائے اور اس ذریعے دعوت کو قوت حاصل ہو۔

امیر محترم نے خطاب شروع کیاتو گلے کی حالت دیدنی تھی مگر جوں جوں وہ اپنی بات ایک ترتیب سے بیان کرتے گئے ان کی آواز صاف ہوتی چلی گئی۔ آپ نے فرمایا' فلسفہ انقلاب کے حوالے سے میں اپنی بات آپ کے سامنے رکھوں گا میں نے سیرت نبویؐ کا مطالعہ اسی انداز میں کیا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب ایک جامع انقلاب ہے۔ تاریخ انسانی میں یہ واحد انقلاب ہے جو ایک فرد سے شروع ہو کر اسی کی زندگی میں تکمیل کے مراحل طے کرتا ہے ورنہ دنیا میں جتنے انقلاب آئے اس میں فلسفہ دینے والی کوئی دوسری شخصیت ہے اور انقلاب لانے والی دوسری شخصیت' ماضی قریب میں اس کی مثال روس اور فرانس کی ہے۔ اصطلاحی طور پر انقلاب کے معنی بنیادی تبدیلی کے ہیں۔

انسانی زندگی کے دو گوشے ہیں انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی زندگی کے بھی تین گوشے ہیں "سماجی نظام" ۔ "معاشی نظام" ۔ "سیاسی نظام" کوئی بھی انقلاب اجتماعی زندگی کے ان تین گوشوں میں سے کم از کم ایک گوشے کو چھیڑتا ہے۔

کوئی بھی انقلاب پہلے ایک نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس نظریہ کو جو لوگ قبول کرتے ہیں انہیں منظم کیا جاتا ہے۔ پھر ان کی تربیت ہوتی ہے۔ جب ایک معتدبہ تعداد اکٹھی ہو جاتی ہے تو وہ موجودہ نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑتا ہے۔ اس پورے فلسفے کو شرح و بسط سے بیان کرنے کے بعد انقلاب نبویؐ کی تفصیلات بیان کیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلابی نظریہ۔ نظریہ توحید پیش کیا۔ اس توحید کے بھی تین گوشے ہیں۔

۱۔ سماجی نظام کی یکسانی' کوئی گھٹیا نہیں' کوئی بڑھیا نہیں' رنگ' نسل کے اعتبار سے کوئی اعلیٰ و ادنیٰ نہیں۔

۲۔ اختیار صرف اللہ کا ہے انسانی اختیار کا ہر گوشہ شرک ہے۔

۳۔ ملکیت صرف اللہ کی ہے انسان محض امین ہے۔

ہجرت کا ذکر ہوا تو اس ضمن میں وہ اہم بات جس کا عموماً تاریخ دان بھی سرسری طور پر گذر گئے ہیں ذکر کیا آپ نے فرمایا ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہم اقدام ہوا ہے قریش کی معاشی ناکہ بندی۔ گویا شہ رگ پر حملہ تھا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے صرف مدافعانہ جنگ لڑی ہے۔ وہ مرعوب ذہنی کا شکار ہیں اقدام ہمیشہ انقلابی پارٹی کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہ اہم تقریرات گیارہ بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد صدر مجلس نے اعلان کیا کہ کھانے کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوگی۔ سوالات کوئی خاص اہمیت کے حامل نہ تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب فارغ ہو کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے تیزگام کے ذریعے لاہور واپسی ہونی تھی۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ سارے پروگرام خیر و خوبی کے ساتھ انجام پائے۔ اس دورے کے روح پرور مناظر کا نقشہ کھینچنا اس عاجز کے بس کا روگ نہیں اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کا حقیقی فہم عطا فرمائے...... فنعم المولیٰ و نعم النصیر

افکار و آراء

ایک آرزو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دُعا ہے کہ پوری ہو جائے

تنظیم اسلامی پاکستان کا تیرھواں سالانہ اجتماع جس بھرپور انداز سے ہُوا وہ منزل کی طرف پیش رفت کی ایک اطمینان بخش علامت ہے۔ کتنے مبارک تھے وہ چار دن جن میں تنظیم کے رفقاء ملک کے دور دراز کونوں اور بیرون ملک سے ضلع بہاول نگر کے ایک دیہاتی مقام طارق آباد میں جمع ہو گئے تھے۔ اجتماع کی یہ جگہ تنظیم کے رفیق جناب کرنل (ریٹائرڈ) حافظ غلام حیدر ترین صاحب کی ذاتی جاگیر ہے۔ یہاں پر یکم اپریل ۱۹۸۶ء تا ۴ اپریل تیرھواں سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔

اجتماع میں فرائضِ دینی یعنی عبادتِ رب شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے سلسلہ میں یاددہانی اور تذکیر کے ساتھ ساتھ انفرادی کردار سازی پر زور دیا گیا۔ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مسلسل شام کی تین نشستوں کے ارشادات سے مستفید ہونے کے لئے قرب وجوار اور دور کے مقامات سے سامعین تشریف لاتے تھے۔ تمام پروگرام نہایت مربوط طریقہ سے ہوتے رہے۔ لیکن میں......

ہاں میرے ذہن کی دنیا پر ایک خیال مستقل چھایا ہوا تھا۔ جب میں ان وسیع کھیتوں اور خوبصورت دیہاتی ماحول کی طرف دیکھتا تھا جو "یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی" کا مسکن معلوم ہوتا تھا۔ اور وہ خیال اپنے پنجے اور مضبوط کرتا جاتا تھا۔ جب اس خطہ کے جغرافیہ پر غور کیا۔ وسیع میدانی کھیت جن کی جنوبی طرف ریلوے لائن اور بڑی شاہراہ گزرتی تھی۔ شمال میں ایک نہر رواں دواں تھی۔ اس لئے دوام اور بنیادی ضروریات پانی اور ذرائع مواصلات بھی اللہ تعالیٰ نے اس ٹکڑے کو مرحمت فرمائی تھیں ـــــ اس اجتماع کے لئے کرنل صاحب کا وسیع حجرہ ہی نہایت خوبصورتی کے ساتھ سجا کر اجتماع گاہ میں تبدیل کیا گیا تھا۔ بھرپور مصروفیات کے باوجود میں اپنے اُس تخیّل سے اپنے کو نہ چھڑا سکا اور آخر کار تنظیم کے ایک محترم رفیق جناب میجر (ریٹائرڈ) محمود احمد خاں صاحب سے اس وقت ذکر ہی کر دیا جب ہم صبح کی نشست کے بعد اُن کی گاڑی میں واپس اقامت گاہ جا رہے تھے۔ ہماری گفتگو کچھ ایسی تھی۔

س: میجر صاحب! ذہن میں ایک خیال اُبھرا ہے کہ کیوں نہ ہماری تنظیم کا ایک ایسا مرکز ہو جو لوگوں کے لئے ایک مرکزی مرجع بنے؟

میجر صاحب : ہاں خیال تو اچھا ہے ۔ کیونکہ قرآن اکیڈمی اب اس وسعت پذیر دعوت کا "لوڈ" نہیں اٹھاسکتی ۔

میں : اور ہاں جناب قرآن اکیڈمی ایک شہری ماحول ہے جہاں دور دراز کے علاقوں سے لوگوں کو دعوت دے کر لانا بسا اوقات نہایت مشکل ہو جاتا ہے ۔

میجر صاحب : ہاں ٹھیک ہے ۔

میں : ایک مسجد ہو ، اس کے ساتھ ملحقہ اقامت گاہیں ہوں ۔ پانی کا بندوبست ہو اور اس مرکز کے ساتھ کشادہ میدان ہوں جو بوقت ضرورت اپنی فراخی کے باعث اجتماع کا "بار" اٹھاسکے ۔

میجر صاحب : ہاں وہاں پر ہمارے سالانہ یا ششماہی اور اسی طرح دیگر اجتماعات ہوں ۔

میں : اور ہاں جناب ہم اُسی طرح ملک کے کونے کونے سے لوگوں کو اجتماع میں یا تربیت گاہیں آنے کی دعوت دیا کریں جیسے تبلیغی حضرات اپنے اجتماعات کے موقع پر رائے ونڈ کے لئے کر رہے ہیں ۔

میجر صاحب : خیال نیک ہے اور بظاہر قابلِ عمل بھی ۔

میں : اس مرکز میں ہمارے اکابرین رفقاء کی ایک ٹیم موجود ہو ۔ جو عبادتِ رب ، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے موضوع پر ، آئے ہوئے احباب کی تعلیم و تعلّم کا اہتمام کرتی رہے ۔

میجر صاحب : خدا کرے کہ عملی طور پر ایسا کچھ ہو جائے ۔

میں : میجر صاحب ! اور امیرِ محترم نے دورانِ تقریر سندھ کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی تو فرمایا کہ سندھ بشمول یہ علاقہ جو پنجاب کا زیریں علاقہ ہے پاکستان کے قلب کے مترادف ہے ۔

میجر صاحب : اور یہی خطّہ ہے پاکستان کا جس میں بہت بڑا Potential ہے مردم آفرینی کا ۔

اقامت گاہ پہنچنے پر جب میں اپنے بستر پر آرام کرنے لیٹ گیا تو میرے ذہن کے پردے پر اُس عظیم مرکز کا ایک واضح خاکہ اُبھر آیا جہاں لوگ جوق در جوق آتے اور جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے ۔ اور میرے سامنے غیر شعوری طور پر جاگزیں شدہ وہ عظیم تربیتی دعوتی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مرکز اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ موجود تھا ۔

میں سوچتا رہا کہ اگر اس دعوت نے پھیلنا ہے تو ایک کھلا میدانی اور قابلِ رسائی مرکز اس کے لئے ناگزیر ضروریات میں سے ایک ہے جو تنظیم کی دعوت کو سمجھنے کے لئے عوام النّاس کے لئے مرجع ہو ۔ خیال مزید پختہ ہوتا گیا اور اس کے لئے دل ہی دل میں دعائیں مانگتا رہا ——— اور .. اور

میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ جب اختتامی نشست میں الوداعی کلمات کہتے ہوئے رفیقِ محترم اور ہمارے میزبان جناب کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر حافظ غلام حیدر خان ترین صاحب نے یہ اعلان کر ہی دیا کہ یہ زمین یہ درودیوار یہ درخت یہ کھیت اور یہ سب کچھ اللہ کی ملکیت اور میرے ساتھ امانت ہے۔ تنظیم اسلامی جیسا چاہے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ اور دعوت دینِ حق کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔ اُن کی پُرخلوص پیشکش پر رفقاء کی زبانوں سے اُن کے لئے دعائے خیر کے کلمات جاری تھے۔ کیوں نہ ہو ان کا خلوص اس اجتماع کے اہتمام اور میزبانی کے فرائض کی ادائیگی سے صاف جھلک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور میری یہی تمنّا پوری ہو کہ میرا تخیّل حقیقت کا روپ دھارے۔

آمین یا رب العٰلمین

محمد فہیم ۔ باجوڑ صوبہ سرحد

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

عطیہ اشتہار: منجانب یٰسین

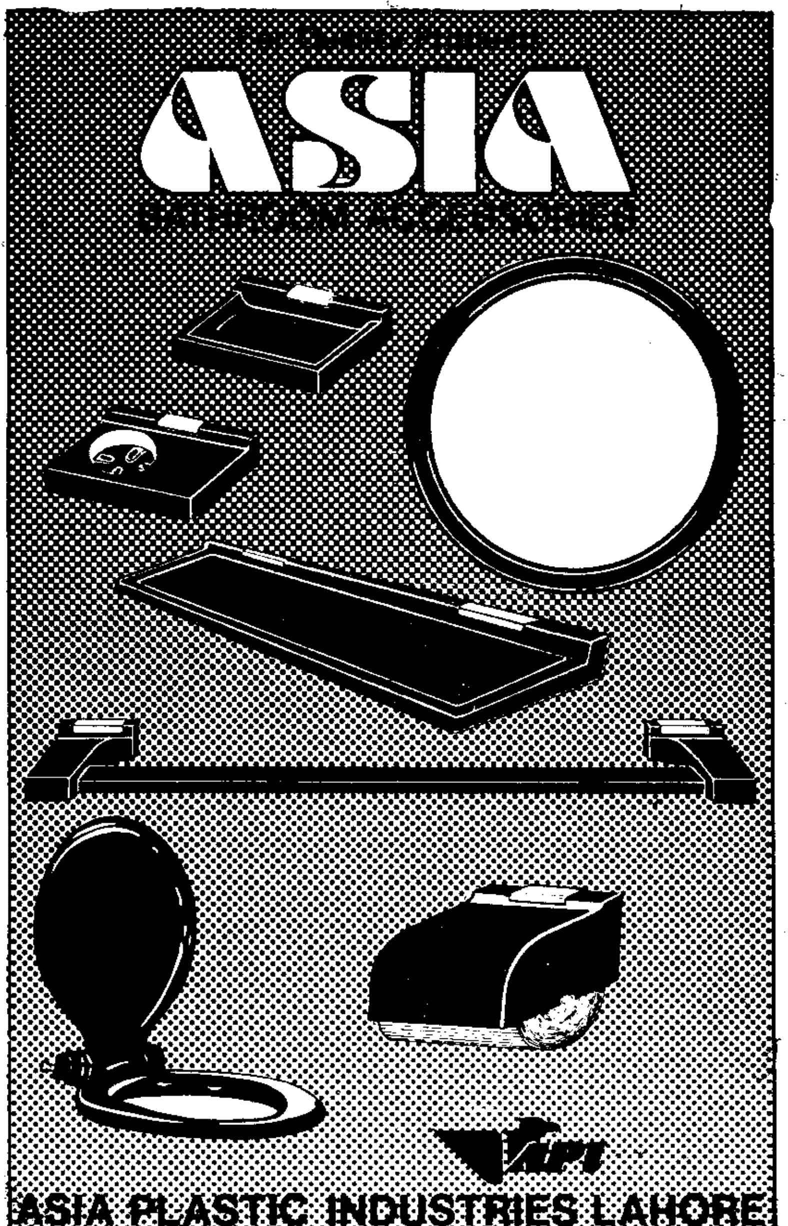
ASIA
API
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

Jawad

*We are manufacturing and exporting ready made gar-
nents (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets,
niforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen,
otton bags, textile piece goods etc.*

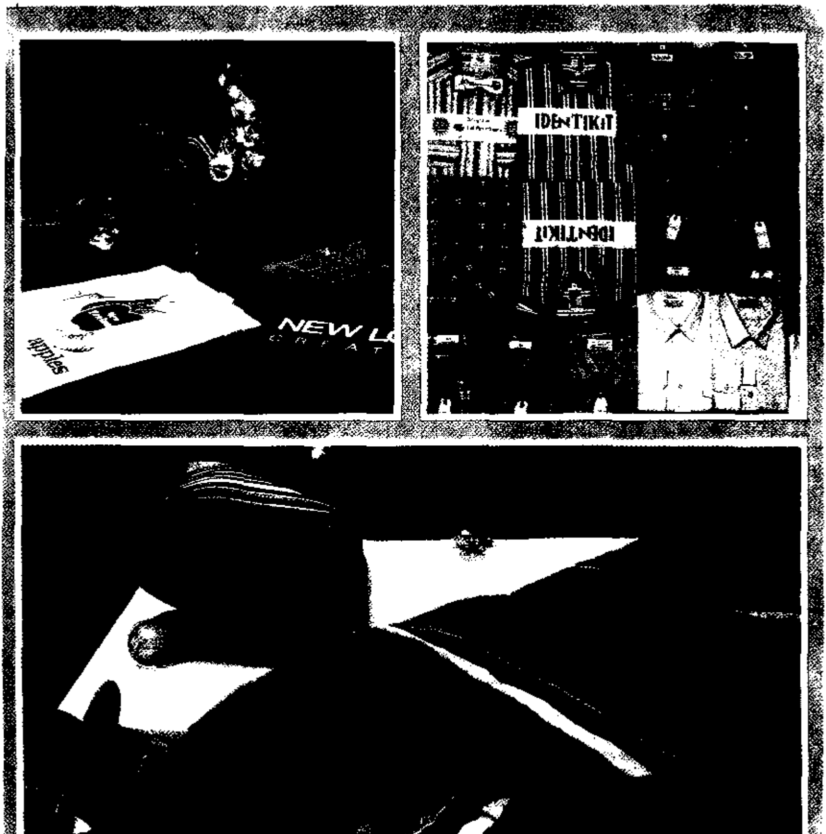

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV-C 3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220 616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7
VOL. 37 No. 6
JUNE 1988

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ الصف)

وہی (اللہ) ہے جس نے کہ بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ (یعنی قرآنِ حکیم) اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ وہ اُس کو غالب کردے پورے کے پورے دین پر، خواہ ناپسند کریں مشرک۔

تنظیمِ اسلامی

نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ
بلکہ ایک
اسلامی انقلابی جماعت ہے

جو سب سے پہلے پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں
اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم اور غالب کرنا چاہتی ہے

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو۔ لاہور